رَبِّ إِنِّي لِمَآ أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ

اے میرے ربّ! یقیناً میں ہر اچھی چیز کے لئے، جو تُو میری طرف نازل کرے، ایک فقیر ہوں۔

ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

آبگینے

خواتین کا علمی، ادبی معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

مُدِیرَہ

مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب	انچارج بچوں کا گلستان / پکوان
حمیرا نگہت	عیشۃ الراضیہ عباسی

زیر انتظام عباسی اکیڈیمی

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

شمارہ مئی 2021

جلد 2 شمارہ 10

رمضان/شوال

ھُـــــــوَ النّاصر
خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ

فہرست مضامین

3	درس القرآن	
4	اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	آخری قسط
7	سورۃ الناس کی خوبصورت تفسیر اس طرح دعا کریں	آخری قسط
11	جب کوئی ہادی دنیا میں آتا ہے اس کی شناخت کے طریق	
12	محبتوں کو پھلنے پھولنے دیجئے	
13	اصحاب کہف/اصحاب الرقیم	
16	خوبصورت معاشرے ایسی ہی ماؤں سے تشکیل پاتے ہیں	
17	ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کا مصائب پر صبر اور دشمن سے عفو کا سلوک	
20	کنیز بتول نجمہ کے قبول احمدیت کا واقعہ	
24	جشن ہائے بہاراں	
25	میک اپ ضرور کیجئے مگر	
26	نورانی مخلوق	
27	لکھنؤ سے آئی نظمیں	قسط اول
30	کیا ترک بھی عورتوں سے نفرت کرتے ہیں	
32	تاریخ کے جھروکوں سے	
33	صدارتی ایوارڈ حاصل کرنے والی سوات کی تبسم عدنان کون ہیں	
34	انسانی دماغ پہلی بار بغیر تار کے کمپیوٹر سے منسلک اک	
35	کھلی جو آنکھ تو بدلا ہوا زمانہ تھا	
37	احمدیہ ادب اور احمدیہ تشخص	
38	حقوق نسواں کے راستے میں حائل رکاوٹ	
39	چین نامہ	
41	امراض سینہ کا علاج	
42	ریشم کا کیڑا یا مکڑی کا جالا	
43	مقام نقطہ	
44	خون کی بوتل	
45	کرپشن	
46	بکھرتے رنگ	
47	پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے داماں کے لئے	
48	کھانوں میں میوہ جات کا استعمال	
50	آئیں اردو سیکھیں	
19-29 48-49	شعر و شاعری	

ایک دل شیشہ کی مانند ہوا کرتا ہے   ٹھیس لگ جائے ذرا سی تو صدا کرتا ہے

ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ
آبگینے

خواتین کا علمی، ادبی، معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

جلد 2 شمارہ 10 - مئی 2021 - رمضان/شوال

مدیرہ
مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب
حمیرا نگہت

انچارج بچوں کا گلستان / پکوان
عیشۃ الراضیہ عباسی

اپنی تمام تحریریں اور قیمتی آراء درج ذیل ای میل پر بھجوائیں

@ aabgeene6@gmail.com
m.abbasi.uk@gmail.com

www.aabgeenei.com

لندن سے جاری ہونے والا

ماہنامہ آبگینے آپ کا اپنا رسالہ ہے اسکی اشاعت و ترویج میں بھرپور حصہ ڈالیئے

زیر انتظام عباسی اکیڈیمی

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ   محی الدین عباسی

درس قرآن کریم

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَ اللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۰۰۲ قَدْ فَرَضَ اللهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَ اللهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۰۰۳ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۚ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۰۰۴ **(سورۃ التحریم آیت 2 تا 4)**

ترجمہ: آیت 2 اے نبی! تُو کیوں حرام کر رہا ہے جسے اللہ نے تیرے لئے حلال قرار دیا ہے۔ تُو اپنی بیویوں کی رضا چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ ترجمہ: آیت 3,4 اللہ نے تم پر اپنی قسمیں کھولنا لازم کر دیا ہے۔ اور اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ صاحبِ علم اور صاحبِ حکمت ہے۔

اور جب نبی نے اپنی بیویوں میں سے کسی سے بصیغۂ راز ایک بات کہی۔ پھر جب اس نے وہ بات (آگے) بتادی اور اللہ نے اُس (یعنی نبی) پر وہ (معاملہ) ظاہر کر دیا تو اُس نے کچھ حصہ سے تو اُس (بیوی) کو آگاہ کر دیا اور کچھ سے چشم پوشی کی۔ پس جب اُس نے اُس (بیوی) کو اِس کی خبر دی تو اُس نے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا ہے؟ تو اس نے کہا کہ علیم و خبیر نے مجھے بتایا ہے۔

اس بحث میں پڑنے کی تو ضرورت نہیں کہ بیویوں کو کیا چیز ناپسند تھی جو اللہ کے رسولؐ نے ان کی خاطر اپنے اوپر حرام کر لی۔ تاہم وہ جو چیز بھی تھی اللہ تعالیٰ اسے حلال قرار دے رہا ہے۔ گویا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں بھی واضح طور پر حرام یا حلال کر دی ہیں ان کو تبدیل کرنے کا بندے کو حق نہیں۔ عام انسانوں کو تو یہ حق ہے کہ اپنی پسند ناپسند کے مطابق بعض چیزیں اپنے اوپر حرام کی طرح کر لیں مگر وہ دوسروں کے لئے اُسوہ نہیں ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ کو بالخصوص یہ ارشاد اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آپؐ اُمّت کے لئے اُسوہ ہیں۔ یہاں قسموں کو توڑنے سے یہ مراد یہ نہیں کہ جو سنجیدگی سے کسی سے وعدہ کی خاطر جائز قسم کھائی جائے اس کو بھی تم بے شک توڑ دیا کرو صرف یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ حلال و حرام میں سے اگر تم کسی کو تبدیل کرنے کی قسم کھا بیٹھو تو اسے توڑ دیا کرو مگر اس کا بھی فدیہ دینا ہو گا۔

تفسیر: اس سورۃ کے شروع میں بھی پچھلی سورۃ کے شروع کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کیا ہے۔ مگر حکم عام سب کے لئے ہے۔ لِمَ تُحَرِّمُ: تو کیوں حرام کرتا ہے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی حلال چیز کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کا پتہ احادیث سے دو جگہ ملتا ہے۔ ان دو میں سے کسی ایک کو یہاں سمجھ لو۔ 1۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد پیا تھا۔ تو ایک بیوی نے کہا۔ آپؐ کے منہ سے بُو آتی ہے۔ آپؐ نے خیال فرمایا کہ اگر شہد کا پینا کسی بیوی کو ناپسند ہے تو ہم نہیں پیتے۔ شہد کے پینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ 2۔ دوسری بات حدیثوں میں یہ لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیبیوں سے ان کے کسی معاملہ پر ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کی تھی اور چند روز تک ایک علیحدہ مکان میں رہے تھے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ بہر حال ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے یا کوئی اور امر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا جس کے سبب سے یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک میں مشکلات تھے۔ اگر وہ قائم رہتا تو مسلمان اسے ایک سنّت بنا لیتے۔ ہاں مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سورۃ تحریم کی پہلی چند آیات کی تفصیل لکھ دوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بی بی زینبؓ کے گھر میں شہد پیا عائشہؓ اور حفصہؓ نے زینبؓ پر غیرت کی۔ اور رسولِ خداؐ سے عرض کیا کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بُو آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مَیں نے زینب کے گھر میں شہد پیا ہے۔ اب پھر شہد نہ پیوں گا۔ یہ بات اس لیے کہی کہ جب عورتوں کو شہد کی بُو سے نفرت ہے تو اس کا پینا کیا ضرور؟ معاشرت میں نقص آتا ہے؟ باری تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔ حلال اشیاء کا ترک کرنا اور اس پر حلف کرنا کیوں۔ ایسے امور میں عورتوں کی رضامندی ضروری نہیں۔ قسم سے بچ رہنے کے لئے سورہ مائدہ میں کفارے کا حکم ہے۔ اس پر عمل کرو۔

قَدْ فَرَضَ اللهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ میں فَرَضَ ماضی کا صیغہ ہے۔ حال یا استقبال نہیں۔ یہ زینبؓ کا قصّہ اور اس پر آیت کا نازل ہونا بخاری و مسلم وغیرہ حدیث کی اعلیٰ کتابوں میں موجود ہے۔ اور قرآن کی تفسیر یا خود قرآن سے یا لغتِ عرب سے یا قرآن کی تفسیر صحیح احادیث سے تفسیر کا اعلیٰ درجہ ہے۔ بعض مفسّر لوگوں نے زینبؓ کے بدلے میں ماریہ قبطیہ کا نام لیا۔ اِلّا ماریہ بھی رسولِ خداؐ کی بی بی ہیں۔ اور ایک بیٹے کی ماں۔ اس بیٹے کی ماں ہے جس نے لڑکپن میں انتقال کیا۔ تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اِلّا یہ مفسّروں کا قول حدیث کے مقابلہ میں التفات کے قابل نہیں۔ بلکہ محققین نے ماریہ کے وجود پر بھی انکار کیا ہے۔ فَرَضَ اللهُ عام حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر دیا ہے کہ ایسی قسموں پر قائم نہ رہا کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بات اپنی کسی بیوی کو کہی تھی۔ اُس نے کسی اَور کے آگے ذکر کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الہامِ الٰہی کے ذریعے معلوم ہو گیا۔ کہ اس بیوی نے اس راز کی بات کو آگے ذکر کر دیا ہے۔ شیعوں نے کہا ہے کہ وہ بات یہ تھی کہ میرے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوں گے اور سنّی کہتے ہیں کہ وہ بات یہ تھی کہ میرے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مقیّد نہیں کیا اور بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا بات تھی۔ تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم کہیں کہ وہ یہ بات تھی یا وہ بات تھی۔

اَسَرَّ النَّبِيُّ: محبّت بڑھانے کے لئے اپنی بیوی سے مخفی بات بھی بعض اوقات کہہ دینی چاہیے لیکن اگر وہ ظاہر کر دے تو جتلا دینا چاہیے۔

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 147 تا 149)

اُمّ المؤمنین

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

آخری قسط

محبتِ الٰہی

حضرت صفیہؓ کی عبادت اور ذکر الٰہی کے بارے میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے۔ جو دراصل آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت کا کرشمہ ہے۔ آپؐ نے اپنی ازواج کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت، عبادت اور ذکرِ الٰہی سے گہرا تعلق پیدا کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ مختلف قبائل اور مذاہب کے کو چھوڑ کر آئی تھیں کوئی عیسائیوں سے تو کوئی یہود سے۔ مگر وہ آپؐ کی محبت میں آ کر آپؐ کے رنگ میں رنگین ہوگئیں۔ حضرت صفیہؓ کے آزاد کردہ غلام کنانہ کا بیان ہے کہ حضرت صفیہؓ فرماتی تھیں " ایک دفعہ حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے میں نے کھجور کی چار ہزار گٹھلیاں اپنے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ ان پر میں تسبیح کیا کرتی تھی۔" حضورؐ نے پوچھا "یہ کس مقصد کے لئے ہیں۔" عرض کیا "حضور ﷺ! میں ان کو گن گن کر ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہوں" آپؐ نے فرمایا "کیا میں تم کو اس سے بہتر طریقہ نہ بتاؤں؟" پھر حضور ﷺ نے ان کو سمجھایا کہ بجائے یوں گن گن کر تسبیح کرنے کے یہ پڑھا کرو۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهِ کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس کی سبوحیّت اور اس کی پاکیزگی میں اتنا بیان کرتی ہوں جتنی خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

یہ ذکر الٰہی کے وہ لطیف اور اچھوتے اسلوب تھے جو آنحضرت ﷺ اپنی ازواج کو سمجھایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی اس تربیت اور فیضِ صحبت کے نتیجے میں ان کی بھی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ ذکر الٰہی میں دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں آگے بڑھنے والی اور ترقی کرنے والی ہوں۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ حضرت جویریہؓ بنت حارث کے بارہ میں آتا ہے جو مشرکوں میں سے اسلام میں آئیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی ذکر الٰہی کرتے دیکھا تو یہ جامع اور بابرکت دعا سکھائی۔

محبتِ رسولؐ

حضرت صفیہؓ کو حضور ﷺ کے ساتھ جو محبت تھی اس کا ایک اندازہ آنحضرت ﷺ کی آخری بیماری میں ہوا۔ ازواج مطہرات آنحضور ﷺ کے پاس بیٹھی حضورؐ کی تیمار داری اور عیادت میں مصروف تھیں۔ اس دوران حضرت صفیہؓ نے بے اختیار کہا "اے اللہ کے نبی! میرا دل کرتا ہے کہ آپؐ کی یہ بیماری مجھے مل جائے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ شفاء دے"۔ حضرت صفیہؓ کی یہ بات سن کر بعض ازواج نے ایک دوسرے کو طنزیہ اشارہ کیا۔ آنحضرت ﷺ حضرت صفیہؓ کے قلبِ صافی کو جانتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "خدا کی قسم! یہ اپنی بات میں سچی ہے گویا صدق دل سے مجھے چاہتی ہے"

یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق فاضلہ اور آپؐ کی سچائی کا عظیم الشان گواہ ہے۔ یہودی گھرانے میں پرورش پانے والی ایک لڑکی جس کے باپ نے اسلام سے مذہبی عداوت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کی نشانیوں سے سچا رسول جان لینے کے بعد بھی اپنی سیادت و ریاست قائم رکھنے کے لئے ذاتی مخالفت کا فیصلہ کیا۔ اور آپؐ کا جانی دشمن بن کر عمر بھر آپؐ کے خلاف برسر پیکار رہا۔ جنگ خندق میں کفار قریش کی مدد کی اور آپؐ کے خلاف اعلان جنگ کر کے عہد شکنی کے مرتکب ہوئے جس کے باعث مدینہ سے نکالا گیا تو خیبر میں جا کر اسلام کے خلاف مضبوط اڈے قائم کئے۔ بالآخر جب خیبر کے میدانوں میں اسکا اور اسکی قوم کی قسمت کا فیصلہ ہوا تو حضرت صفیہؓ کے نہ صرف والد بلکہ شوہر اور کئی عزیز اس جنگ میں کام آئے اور خود انکے بقول رسول اللہ ﷺ کا وجود انکے لئے سب سے زیادہ قابل نفرین تھا۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آنے کے بعد انکی کایا کیسی پلٹی کہ اپنی جان رسول اللہ ﷺ پر چھڑکنے لگیں۔ اور صدق دل سے آپؐ پر فریفتہ ہوگئیں اور خود ان کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے زیادہ انہیں کوئی محبوب نہ رہا اور خدا کے رسولؐ نے بھی گواہی دی کہ وہ بلاشبہ خلوصِ دل سے آپؐ پر قربان ہے۔ دشمن قوم کی بیٹی کی یہ گواہی جس نے قریب سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کا مشاہدہ کیا آپؐ کے اخلاق فاضلہ اور سچائی کو خوب ظاہر کرتی ہے۔ یہی وہ راز تھا جس کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام زینب سے بدل کر صفیہ رکھا یعنی انہوں نے اپنا دل و سینہ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے لئے خالص کر لیا تھا۔ اور آپؐ کی باصفا ساتھی بن گئیں۔ سبحان اللہ!

حضرت صفیہؓ کی کایا پلٹنے پر مستشرقین کی حیرانی

حضرت صفیہؓ کے اندر پیدا ہونے والے اس انقلاب پر مستشرق مارگولیتھ بھی حیران و پریشان ہے۔ اور اپنے اندرونی بغض و عناد کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ لکھتا ہے۔

Some Moslems paid her the compliment of thinking she meant to play a Judith’s part, but they did her more than justice. Just as the Jewish tribes had each played for its own hand, careless of the fate of the others, so to this woman a share in the harem of the conqueror made up for the loss of father, husband, brethren, and religion.So Beckwourth found that a few hours were sufficient to reconcile the American squash to captivity. Dragged from the blood-baths in which their husbands, fathers, and brothers perished, they in a little time became cheerful and even marry. Another Jewess, Zainab, the wife of Sallam,son of Mishkam, who figures as a partisan of Mohammed,tried with partial success a plan which others

had attempted to fail entirely.She found out what joint was the Prophet's favourite food,and cooked it for him, richly seasoned with poison.The Prophet s guest,Bishr, son of Al-Bara, took some and swallowed it ; and presently died in convulsions... But when three years after he died of fever, he thought it was Zainab's poison still working within him.

ترجمہ:بعض مسلمانوں نے حضرت صفیہؓ کی تعریف کرتے ہوئے انہیں ایک مشہور ہیروئن جیوڈتھ کے مخصوص کردار کی عکاس قرار دیا ہے۔جیسا کہ مختلف یہودی قبائل نے ہر دوسرے قبیلہ کے مفاد سے بے پرواہ ہوکر صرف اپنے ہی فائدہ کو مدنظر رکھا۔اس خاتون (صفیہؓ) نے بھی ایک فاتح کے حرم میں بخوشی داخل ہوکر باپ، خاوند، بھائیوں اور مذہب کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے پیاروں کے خون کو فراموش کر دیا۔سو بقول Beck-wourth جس طرح محض چند گھنٹوں میں (ایک) امریکی خاتون نے حالات (قید) سے سمجھوتہ کرلیا۔اس خون ریز میدان جنگ سے الگ ہوتے ہی (حضرت صفیہؓ نے) جہاں اس کا خاوند، باپ اور بھائی ہلاک ہوئے تھے۔حرم نبویؐ میں داخل ہوکر خوش وخرم زندگی شروع کردی۔جبکہ ایک اور یہودی عورت زینب (زوجہ سلام بن مشکم) نے قومی غیرت میں اپنے منصوبہ پر عمل کر کے کسی حد تک کامیابی حاصل کی جہاں پر کہ دوسرے ایسے منصوبوں میں مکمل طور پر ناکام رہے تھے۔اس نے رسولؐ خدا کا پسندیدہ کھانا زہر ڈال کر تیار کیا۔

اس جگہ مارگولیتھ یہودی تاریخ کی مشہور ہیروئن جُوڈتھ (جس نے ایک فاتح اسیری بادشاہ سے شادی کے بعد اسے ہلاک کر کے یہودیوں کی شکست کو فتح میں بدل دیا تھا) کی مثال پیش کر کے کہتا ہے کہ فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر اپنے مقصد میں ناکام ہونیوالی یہودی عورت زینب (زوجہ سلّام بن مشکم) نے قومی غیرت میں کیا کردار ادا کیا اور کیوں حضرت صفیہؓ نے (جس کے والد، شوہر اور بھائی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں مارے گئے تھے) جوڈتھ کا کردار ادا نہ کیا۔پھر وہ اپنی حیرت و پریشانی اور اسلام دشمنی کا اظہار اس طنزیہ اعتراض کے ذریعہ کرتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے حضرت صفیہؓ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر ان سے حد سے زیادہ توقع رکھنی چاہی ہے، جیسے حضرت ابوایوبؓ انصاری نے حضرت صفیہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کی پہلی شب ساری رات خیمہ کے باہر اپنے خدشات کی بناء پر آپؐ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا۔جبکہ مارگولیتھ کے مطابق حضرت صفیہؓ نے دیگر یہود کی طرح اپنے مفاد کی خاطر ایسا کیا اور بہت جلد اپنے پیاروں کے خون کو بھلا دیا اور (شادی کی) رنگ رلیوں میں مصروف ہوکر بخوشی فاتح خیبر کے حرم میں شامل ہوگئیں۔

کاش مارگولیتھ نے تعصّب کی بجائے انصاف کی نظر سے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوتا اور حضرت صفیہؓ کے قبول اسلام کا پس منظر بچپن کے زمانہ سے پیشِ نظر رکھا ہوتا تو اسے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہتا کہ ان کے اندر یہ تبدیلی اچانک واقع نہیں ہوئی۔ہاں اگر حضرت صفیہؓ کے اندر یہ تبدیلی واقعی ایک رات میں ہوئی ہوتی تو پھر بھی یہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق فاضلہ کا جادو تھا۔جن کے بارہ میں خود حضرت صفیہؓ نے گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ جو میرے لئے دنیا میں سب سے زیادہ قابل نفرین تھے سب سے بڑھ کر مجھے محبوب ہوگئے۔مگر فی الواقعہ یہ صرف ایک رات کا ہی انقلاب نہیں تھا بلکہ حضرت صفیہؓ کے دل میں تو دراصل بچپن کے اس روز سے ہی اسلام کی صداقت گھر کر چکی تھی جس روز انہوں نے اپنے والد اور چچا کی بانیٔ اسلام کے سچا ہونے کے متعلق گفتگو سنی کہ آپؐ ہیں تو وہی موعود سچے نبی مگر بہر حال انکی مخالفت کرنی ہے۔

اسلام کے حق میں حضرت صفیہؓ کی زندگی کا دوسرا تاریخی موڑ وہ ہے جب انہوں نے محاصرہ خیبر کے دوران اپنی خواب میں چاند کو اپنی گود میں گرتے دیکھا، جسے سن کر ان کے شوہر نے یہ کہتے ہوئے تھپڑ رسید کر دیا تھا کہ تم عرب کے بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔رسول اللہ ﷺ ہی دراصل ان کے اس خواب کی تعبیر تھے۔یہ خواب جہاں حضرت صفیہؓ کی سچائی اور پاکیزگیٔ نفس اور ان کے بارہ میں الٰہی منشاء کو ظاہر کرتا تھا وہاں اس کا اتنا جلدی پورا ہوجانا رسول اللہ ﷺ کیلئے ان کے دل کو فتح کرنے کیلئے کافی تھا۔پھر سونے پر سہاگا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے حسن واحسان کے جلوے اور پاکیزہ اخلاق ایسے تھے جنہوں نے حضرت صفیہؓ کا دل موہ لیا۔

مارگولیتھ کی اس معترضانہ جرح کی تردید خود واقعات بھی کرتے ہیں۔اگر واقعی یہود کی خصلت یہی تھی کہ اپنی مقصد برآری کیلئے حالات سے صلح کرلی جائے تو خود مارگولیتھ اور سر ولیم میور کے بیان کے مطابق حضرت صفیہؓ (جن کا آبائی نام زینب تھا) کی ایک اور ہمنام زینب نامی یہودیہ بھی تو تھی جس نے اپنی آتش انتقام سرد کرنے کے لئے آنحضور ﷺ کو کھانے میں زہر دینے سے بھی دریغ نہ کیا تھا۔اس کے مقابل پر حضرت صفیہؓ میں پیدا ہونیوالی اس تبدیلی کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ جیسے عظیم الشان معلّم و مربیّ کی سچائی اور آپؐ کے اخلاق فاضلہ پر دلیل ہے۔رسول اللہ ﷺ کی اسی پاکیزہ صحبت کی تاثیر کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں:۔

”نبی کریمؐ کی بی بی ماریہؓ پہلے عیسائی تھیں اور صفیہؓ یہودی۔اس قسم کے عقیدوں سے نبی کریمؐ کی صحبت میں پاک ہوئیں“

جہاں تک حضرت صفیہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی شادی پر اعتراض کا تعلق ہے اس میں کوئی وزن نہیں کیونکہ یہ شادی ایک قومی ضرورت تھی جیسا کہ سردار مکّہ ابوسفیان کی بیٹی حضرت امّ حبیبہؓ اور بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی حضرت جویریہؓ اور مصر کی شہزادی حضرت ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ عقد ہوا تھا۔اسی دستور کے مطابق قدیم زمانے سے شادیوں کا رواج تھا۔بائبل کے مطابق حضرت سلیمانؑ نے بھی اس مقصد کی خاطر فرعون مصر کی بیٹی سے شادی کی تھی جس کے باعث اسرائیل کو مصر سے حملہ کا خطرہ نہ رہا۔

حضرت صفیہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی شادی میں کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہیں تھی جیسا کہ بعض مستشرقین نے لکھا ہے۔بلکہ یہ دشمن قوم پر ایک احسان تھا۔

حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول حضرت صفیہؓ کی شادی پر مشہور مستشرق ولیم میور کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”مسٹر میور (Muir) نے اعتراض کیا مگر وہ جانتا نہ تھا کہ ملک عرب میں دستور تھا کہ مفتوحہ ملک کے سردار کی بیٹی یا بیوی سے ملک میں امن وامان قائم کرنے اور اس ملک کے مقتدر لوگوں سے محبت پیدا کرنے کے لئے شادیاں کیا کرتے تھے۔ تمام رعایا اور شاہی کنبہ والے مطمئن ہو جایا کرتے تھے کہ اب کوئی کھٹکا نہیں۔ چنانچہ خیبر کی فتح کے بعد تمام یہود نے وہیں رہنا پسند کیا“۔

خلافت سے تعلق

حضرت صفیہؓ کا جو تعلق خلفائے راشدین کے ساتھ اطاعت اور محبت کا تھا اس کا ایک اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جب حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ان کا محاصرہ کیا گیا حضرت صفیہؓ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں حضرت عثمانؓ کی کچھ مدد کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ آپؓ نے اپنی سواری تیار کرائی اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ملاقات کے لئے تشریف لے گئیں۔ راستے میں باغی فوجوں کے سردار اُشتر نے آپؓ کو روک لیا۔ آپؓ کی سواری کو مارنا چاہا اور بے ادبی کرنی چاہی۔ آپؓ نے فرمایا ”میری سواری کو واپس لے چلو، میں یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ زوجۂ رسول کے لئے یوں رسوائی کے سامان پیدا ہوں۔“ اس کے باوجود حضرت صفیہؓ نے حضرت عثمانؓ کی مدد کا ایک اور انتظام کیا۔ ان کا گھر حضرت عثمانؓ کے گھر کے قریب تھا، آپؓ نے ایک لکڑی اپنے اور ان کے گھر کے درمیان رکھ دی اور ایک ایسا رابطہ بحال کر لیا جس کے ذریعے محاصرہ کے دوران حضرت عثمانؓ کے لئے کھانے پینے کی ضروری چیزیں مہیا فرماتی رہیں۔

حضرت صفیہؓ کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی حلم عطا کیا تھا۔ آخر ایک سردار کی بیٹی اور اب سردارِ دوجہاں کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ ایک دفعہ ان کی لونڈی نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کی یہ شکایت کر دی کہ وہ جمعہ کی بجائے سبت کے دن یا ہفتہ کو بہت پسند کرتی ہیں۔ اور اس میں وہ یہودیوں سے حسن سلوک کرتی اور صدقہ وغیرہ دیتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت بہت ہی عادلانہ تھی آپؓ نے خود ہی حضرت صفیہؓ سے اس بارہ میں پوچھ لیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مجھے جمعہ کا بابرکت دن عطا کیا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اس کی بجائے میں کسی اور دن کو محبوب رکھوں۔ باقی یہودیوں سے میرے رحمی رشتے ہیں بعض رشتے دار ایسے ہیں جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے میں ان کے حق کے مطابق ان سے صلہ رحمی اور احسان کا سلوک کرتی ہوں۔ حضرت عمرؓ کے لئے یہ وضاحت کافی تھی۔ بعد میں حضرت صفیہؓ نے اس لونڈی سے پوچھا کہ اس شکایت کرنے سے تمہارا مقصد کیا تھا؟ اس نے کہا بس یہ تو شیطانی اکساوا تھا۔ آپؓ نے کس کمال ذرہ نوازی سے فرمایا ”جاؤ میں تمہیں آزاد کرتی ہوں“۔ یہ آپؓ کا حلم تھا کہ ایک لونڈی جس نے آپ کے خلاف شکایت کی آپ نے اسے بھی معاف کر کے حسن سلوک کیا۔

حضرت صفیہؓ نے آنحضرت ﷺ سے بعض احادیث بھی روایت کی ہیں۔ آپؓ بیان فرماتی ہیں ”حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ بعض لوگ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوں گے اور وہ ہلاک ہوں گے“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ لوگ جو حملہ آور ہوں گے ان میں سے ایسے بھی تو ہو سکتے ہیں جو اس بات کو ناپسند فرما رہے ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا سلوک ان کی نیتوں کے مطابق ہوگا“۔

وفات

حضرت صفیہؓ کی وفات رمضان 50ھ میں حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ہوئی۔ یہ عجیب توارد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپؓ کی شادی بھی رمضان کے مہینہ میں ہی ہوئی تھی۔ تدفین دیگر ازواج کے ساتھ جنۃ البقیع میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے زمانہ میں حضرت صفیہؓ کو اموال وغیرہ عطا کئے اس کے نتیجے میں ایک لاکھ درہم نقد سے بھی زائد ان کا ورثہ تھا۔ زمینیں وغیرہ اس کے علاوہ تھیں۔ آپؓ نے اپنی خالہ کے یہودی بیٹے کے لئے اپنی جائیداد کے تیسرے حصے کی وصیت فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(بحوالہ اہل بیت رسول ﷺ از حافظ مظفر احمد صاحب)

ضروری اعلان

ادارہ کے مالی حالات کے پیش نظر اور اس کو جاری رکھنے اور مزید ترقی دینے کی خاطر ”ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل“ اور خواتین ڈائجسٹ ”آبگینے“، لاہور رسالہ دو زبانوں اردو اور انگریزی میں لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ ان تینوں رسالوں کو ادارہ اپنی ذاتی مالی حیثیت کے مطابق کئی سالوں سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ دنیا کے تمام قارئین کیلئے یہ معیاری اور پسندیدہ رسالے ہیں۔ ان کا خاص مقصد معاشرے کی بہتر اصلاح، سچی کھری صحافت اور اسلام کی ترقی کے لئے یہ ایک تبلیغی کوشش ہے۔ یاد رہے ایسے اخبارات اور رسائل کو جاری رکھنے کے لیے ایک بڑا ادارہ یا برنس مین یا اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں میسر نہیں۔ آپ تمام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کی ماہانہ مالی مدد فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالئے۔ آپ کی یہ معمولی رقم ہماری ہمت افزائی اور ترقی کا باعث ہوگی۔ آپ اپنی رقم درج ذیل بینک میں جمع کروا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

Bank Name:
Lloyds Bank PLC
Account Name:
Lahore International LTD
Account Number:
42534160
Sort Code:
30-96-26
IBAN:
GB89 LOYD 3096 2642 5341 60

سورۃ الناس کی خوبصورت تفسیر-اس طرح دعا کریں

آخری قسط

انسان کے ان سہ درجات اور حالات کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان ہرسہ حالات کو صوفیاء نے اپنی تجربہ کردہ باتوں کے ذکر کے ساتھ عجیب عجیب پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ حافظ شیراز نے نفسِ لوّامہ کی مشکلات پر نگاہ کر کے اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے

شبِ تاریک و بیم موج و گردابے چُنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکسارانِ ساحل ہا

حافظ شیراز نے اس شعر میں انسان کی ان تین حالتوں کو ظاہر کیا ہے، اور اس کی تمثیل کے واسطے دریا اور اس کے دو کناروں کے نظارہ کو لیا ہے، کچھ لوگ دریا کے اس کنارے پر ہیں، کچھ کنارہ ویران سا ہے، اس میں نہ کوئی شاندار مکان ہے اور نہ پھل پھول ہیں اور اس میں رہنے والے جاہل لوگ ہیں، جو دوسرے کنارے کی نعمتوں اور عمدہ اشیاء سے بے خبر ہیں، اور وہ نہیں جانتے کہ دوسرے کنارہ پر کیا کیا آرام کے ذرائع ہیں، پس وہ اپنی حالت میں غافل ہیں۔ اور ان کو یہ خواہش بھی نہیں کہ دوسری طرف جاویں، اور ان لوگوں میں جا کر شامل ہوویں جو دوسرے کنارے پر رہتے ہیں، بلکہ وہ اپنے موجودہ حال میں ویسے ہی چُپ چاپ بیٹھے ہیں، دوسرے کنارے پر وہ لوگ ہیں جو دریا اور اس کی تمام تکالیف اور مصائب کو جِھیل کر اپنے منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں اور اب آرام کے ساتھ بیٹھے ہیں ان کو کوئی دُکھ اور مصیبت نہیں ہے۔ اور نہ ان کے واسطے وہ خطرات اور ہر وقت کا خوف ہے جو کشتی والوں کے لاحقِ حال ہوتا ہے بلکہ وہ ان تمام مشکلات سے گزر چکے ہیں، اور تمام مصائب کو عبور کر چکے ہیں، اور ان کا نفس نفسِ مطمئنہ ہے، اور پہلے لوگ وہ تھے جن کو نفس نفسِ امّارہ تھا، اور دوسرے کنارہ پر وہ ہیں جو نفسِ مطمئنہ رکھتے ہیں۔ حافظ شیراز نے ان ہر دو کو اپنے شعر میں سبک سار کہا ہے، کیونکہ ایک کو معرفت کی خبر ہی نہیں، اور دوسرے کو معرفت حاصل ہو چکی ہے، پس وہ دونوں سبکسار ہیں کیونکہ یہ اپنے بوجھ اتار چکا ہے اور اس نے ہنوز بوجھ اٹھایا ہی نہیں۔ لیکن مشکلات میں وہ شخص ہے جو درمیان میں ہے کیونکہ اس نے رذیل حالت میں رہنا پسند نہ کیا اور اعلیٰ حالت کی طرف جانا چاہا لیکن راستہ میں مشکلات کا دریا ایسا آ گیا ہے، جس میں ہر طرف سے موجیں ہیں اور رات اندھیری ہے اور گرداب گھیرے ہوئے ہے۔ اور ہر وقت خطرہ ہے کہ اب ڈوبے، اب ڈوبے، یہ درمیانی حالت نفسِ لوّامہ کی ہے۔ اس کو معلوم ہو گیا ہے کہ نفسِ مطمئنہ ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ ان لوگوں کی صحبت نے جو نفسِ مطمئنہ حاصل کر چکے ہیں یا ان کے حالاتِ عجیبہ کے سننے سے اس کو رغبت پیدا ہوئی ہے کہ میں بھی نیک بن جاؤں اور ان لوگوں کے درمیان شامل ہو جاؤں اور بظاہر پہلی نظر اس کو بہت آسان سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں منزل کو آسانی کے ساتھ طے کر لوں گا اور ایسا ہی ہو جاؤں گا جیسے کہ وہ لوگ ہیں، لیکن تھوڑے ہی دنوں میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس راہ میں بہت مشکلات ہیں اور بدیوں کا ترک کرنا اور نیک بن جانا آسان بات نہیں ہے، ایسے وقت میں چلّا اٹھتا ہے

کہ عشق آساں نمود اوّل دِلے افتاد مشکلہا

اور جب چاروں طرف سے اپنے آپ کو تکالیف میں دیکھتا ہے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلیٰ حالت کا حصول کوئی آسان امر نہیں ہے۔ ظاہر کہہ دینے کو ایک فقرہ ہے اور وہ بھی ایک چھوٹا سا کہ ”میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا“ لیکن جب اس پر عمل شروع ہوتا ہے۔ تب اس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک ملازم کسی دفتر کا اس اقرار کے بعد اپنے دفتر میں آ جاتا ہے۔ اور ایک طرف افسر زور دیتے ہیں کہ یہ کام فوراً کرو اور دوسری طرف نماز کا وقت آ جاتا ہے۔ اس وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے کیا معنی ہیں؟ ایک عہدہ دار سرکاری جس کے خرچ بہت ہیں اور تنخواہ تھوڑی ہے وہ جب اس اقرار کے بعد اپنے کام پر جاتا ہے اور آمدنی کو کم پاتا ہے اور خرچ زیادہ ہے اور رشوت کے وسائل کُھلے ہیں اور کوئی منع کرنے والا نہیں۔ اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ رات کے وقت جب سردی کو موسم ہو اور گرم بستر کے اندر آدمی لیٹا ہوا ہو اور ہر ایک سامان مہیا ہو اور تہجد کا وقت اور خدا کے یاد کرنے کا وقت آ جاوے اور دل نہ چاہے کہ بستر سے اُٹھے، اس وقت انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میرا دین مقدّم ہے یا دنیا مقدّم ہے!

غرض سلوک کی راہ میں سب سے مشکل مرحلہ وہی ہے جو نفسِ لوّامہ کو طے کرنا پڑتا

ہے۔ کیونکہ اس کو شیطان کے ساتھ اور اس کے لشکر کے ساتھ ایک جنگ درپیش ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ وہ اس کو واپس اپنی حالت ردّی پر لے جائے۔ کیونکہ وہ جیسا کہ اس سورۃ میں بیان کیا ہے خنّاس یعنی انسان کو نیچے ہٹانا چاہتا ہے، اور اس کو حالتِ رذیل میں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ شیطان بعض انسانوں کی صورت میں ہیں اور بعض بد روحیں ہیں جو کہ انسان کو خراب حالت میں ڈالنے کے واسطے اس کے دل میں طرح طرح کے وساوس ڈالتی ہیں، جس کا ذکر اس سورہ شریفہ میں اس طرح سے ہے، الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ یعنی لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔ ان سے پناہ مانگنے کے واسطے خدا نے یہ سورۃ بطور کلماتِ دعائیہ کے نازل فرمائی ہے تا ان کو پڑھ کر اور خدا تعالیٰ سے پناہ مانگ کر انسان بدحالت میں پڑنے سے بچ جاوے۔ اے خدا! تو اپنے فضل و کرم سے ہماری دستگیری فرما اور اس جماعت کے ممبروں کو نفسِ مطمئنہ عطا فرما اور جو لوگ ہنوز اس سلسلہ میں داخل نہیں ہوئے ان کو بھی آنکھیں کھول! تا کہ وہ اس پاک راہ کو پہچان کو اس کی صداقت کا فائدہ حاصل کریں اور خدا کی برگزیدہ جماعت میں داخل ہو کر رحمتِ الٰہی سے حصہ وافر کریں! آمین ثم آمین!!

امراضِ سینہ کا علاج: میں خیال کرتا ہوں کہ امراضِ سینہ مثلاً سِل، کھانسی وغیرہ کے واسطے اس سورۃ شریفہ میں ایک دعا ہے۔ کیونکہ آج کل ڈاکٹروں نے یہ تحقیقات کی ہے کہ پھیپھڑے میں باریک کیڑے ہوتے ہیں جن کو جرمز کہتے ہیں۔ جب وہ پیدا ہو جاتے ہیں تب پھیپھڑا زخمی ہو کر سِل کی بیماری اور کھانسی پیدا ہو جاتی ہے۔ جنّ بھی ایک باریک اور مخفی شے کو کہتے ہیں۔ اس سورۃ میں ان اشیاء کے شر سے پناہ چاہی گئی ہے۔ جو سینہ کے اندر ایک خرابی پیدا کرتے ہیں۔ ناظرین اس کا تجربہ کریں۔ لیکن صرف جنتر منتر کی طرح ایک دعا کا پڑھنا اور پھونک دینا بے فائدہ ہے، سچے دل کے ساتھ یہ سورۃ اور معنی کو بطور دعا کے مریض اور اسکے معالج اور تیمار دار پڑھیں اور مریض کے حق میں دعا کریں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور بخشنے والا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ایسے بیماروں کو اس کلامِ پاک کے ذریعہ شفا حاصل ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس سورۃ شریفہ کے شانِ نزول کے بارہ میں حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ پر اس قسم کی آیات نازل ہوئیں کہ ان جیسی میں نے کبھی نہیں دیکھیں وہ معوذتین ہیں۔ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنّ و انس کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، مگر جب معوذتین نازل ہوئیں تو آپؐ نے ہر طرح اس امر کے متعلق دعا کرنا چھوڑ دیا اور ہمیشہ ان الفاظ میں دعا مانگتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوا کرتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ پڑھ کر دَم کیا کرتے تھے۔

اس سورۃ شریفہ میں کسی مذہب پر کوئی خصوصیت سے حملہ نہیں۔ جیسے اس پاک کتاب کی ابتدائی سورت فاتحہ میں ایسی تعلیم اور دعا ہے جو سماوی اور اخلاقی مذاہب میں کسی مذہب پر ردّ نہیں۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. إِلَٰهِ النَّاسِ (النّاس: 2 تا 4) اس سورۃ شریفہ کی ابتداء میں باری تعالیٰ نے تین نام ظاہر فرمائے ہیں۔ اور اس جلسہ (جلسہ مذاہبِ عالم) کے پہلے سوال میں ہی ایسے تین امور کا ذکر ہے کہ جس کا فرداً فرداً تعلق ان تین ناموں سے ہے۔ وہ تین انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالت کا بیان ہے۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. إِلَٰهِ النَّاسِ. میں غور فرمائیے۔ ابتداء میں انسان ایک جسم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا (النحل: 79) اور بے ریب انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو بجُز اس کے کہ اس کو جسمانی ضرورتیں سب سے پہلے پیش آتی ہیں۔ اور کن علوم کی اس کو ضرورت ہوتی ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر مولیٰ کریم ربّ العالمین انسان کی ربوبیت نہ فرماوے، اور چوسنے پھر گلے سے اتارنے کا علم نہ بخشے، پھر ہضم کی نالیاں اس غذا پر تصرف نہ کریں، پھر شریانوں میں پھیپھڑوں میں خون مصفّٰی ہو کر جزوِ بدن نہ ہو تو انسانی نشوونما کا کیا ٹھکانا ہے۔

صاحبان انسان کی اس حالت پر نظر کرو جو اس کی نطفگی کی حالت میں لاحق ہے۔ اور ہر انسان کے اس کمال استواری پر نظر کر جاؤ جس میں وہ اپنے دائرہ کمال کی تکمیل کرتا ہے اور پھر انصاف سے دیکھو کہ یہ تمام سامان کمالاتِ جسمانیہ اپنے اصول و فروع سے کس نے عطا فرمائے۔ تو آپ یقین فرمائیں گے کہ یہ تمام سامان کمالاتِ جسمانیہ اپنے اصول و فروع سے کس نے عطا کئے فرمائے۔ تو آپ یقین فرمائیں گے کہ ایک ربّ النّاس جس نے اس کو ایک طرف جذبِ موادِ طیبہ کی طاقتیں عطا فرمائیں۔ دوسری طرف موادِ طیبہ کا بے انت خزانہ مہیا فرما دیا۔ چونکہ وہ ذاتِ پاک طیب اور ہر ایک خبث و نجاست سے منزّہ ہے۔ انسان کے جسمانی حالات کی ترقی کے لئے بھی اس نے کیسے کیسے اسبابِ طیبہ مہیا کر دیئے ہیں۔

جب انسان اپنی جسمانی حالت کی ایک حد تک تکمیل کر لیتا ہے تو اس کی عمدہ پرورش کے بعد انسان کے اخلاق کا نشوونما ہوتا ہے۔ کبھی اس کو انواع و اقسام کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے رنگارنگ خوراک کے لئے قسم قسم کے غلّہ، پھل، پانی، عرق، شیرینیاں، تُرشیاں جمع کرتا ہے۔ پہننے کے واسطے اور ایسا ہی گرمی، سردی، ہوا، روشنی، بارش اور گرد و غبار سے بچنے کے لئے، ایسا ہی محنت و مزدوری عیش و عشرت، جنگ وغیرہ حالاتِ مختلفہ کے لئے اسے مختلف اسباب مہیا کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے آرام کی خاطر اس کو مکانات بنانے پڑتے ہیں، جن میں انسان کو گرمی، سردی، غبار، بارش کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اپنی ضروریات کے واسطے مختلف قسم کی چیزیں رکھنا چاہتا ہے۔ قوائے شہوانیہ اور بقائے نسل کے خیال سے اس کو اپنے جوڑے کی ضرورت

پیش آتی ہے۔قوائے غضبیہ کو بھی اسے جوش میں لانا پڑتا ہے۔جب دیکھتا ہے کہ اس کے اغراض اور مطالب ضروریہ اور صحیحہ میں کوئی روک ڈالتا ہے، انسان اپنے مطالبِ جسمانیہ اور اخلاقیہ میں گاہے قوتِ استقلال و ہمت بلند کے ساتھ، شجاعت و بہادری سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔اور جب اس کے بنی نوع سے کوئی اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے اغراض و مطالب اور شہوات و بلند حوصلگی و کامیابی سے حملہ کرتا ہے تو اس کو بادشاہوں اور حکام کی احتیاج پڑتی ہے اور کبھی حکام میں سے اس کا محتاج الیہ حاکم، قوت عدل انصاف، رحم، شفقت، غور و فکر سے کام نہیں لیتا، تو اس کی فطرت کو ایک ایسی عظیم الشان طاقت کی طرف جھکنا پڑتا ہے جو سب حکّام کا حاکم اور سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کے حضور گڑگڑاتا ہے کہ میرے دشمنوں اور میرے دشمنوں اور میرے ظالم حاکموں کا تو انصاف کر اور میرے مطالب و مقاصد میں تو میرا انصاف فرما۔اس بادشاہِ عظیم الشان کا نام مَلِکِ النَّاسِ ہے۔

نیز خود انسان کے لئے اگرچہ اکثر اوقات ایسے بادشاہ ہوتے ہیں جو اس کو جرائم کے ارتکاب اور امن کی خلاف ورزی پر سزا دیتے ہیں۔مگر بعض جگہ اور بعض موقعوں پر یا تو حکام و بادشاہ موجود ہی نہیں ہوتے جیسے بعض مہذب بلاد میں بھی بعض اوقات ایسا معاملہ پیش آ جاتا ہے اور بعض مکانات اور میدانوں، پہاڑوں میں ایسا اتفاق ہوتا ہے اور غیر مہذب بلاد میں تو اکثر ہی ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔نیز ارتکابِ جُرم کے وقت اگر دنیوی حکام اور ناظم اگرچہ اپنے قوانین کی رُو سے انسان کی اخلاقی حالت اور انسان کی جسمانی حالت پر اثر ڈال سکتے ہیں... مگر انسان کے ان اندرونی جوشوں پر جس کے باعث کوئی انسان جُرم کا ارتکاب کرتا ہے ایک ایسی زبردست طاقت کا اعتقاد انسان کی اخلاقی حالت کی اصلاح کے لئے ضروری ہے جس کی نگہبانی پر یقین انسان یہاں تک بڑھا ہوا ہو کہ وہ انسان کے موجودہ یا آئندہ ارادوں کا علم رکھتا ہے اور یہ بھی بد اخلاق کو سزا دیتا ہے۔اس کا نام اس سورۂ شریف میں ملک النّاس ہے۔

کیا معنے؟ وہ بادشاہ جو انسان کے قویٰ علمیہ اور عملیہ اور انسانی علم و عمل اور انسانی کرم اندریوں بلکہ گیان اندریوں پر حکمران ہے۔پھر جسمانی حالت دونوں کی تکمیل کے بعد انسان کی روحانی حالت زور پکڑتی ہے، اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا جسم کمال پر پہنچا اور ہر قسم کی تکالیف سے صحیح و تندرست ہوا تو انسان کو اخلاقِ فاضلہ کی ضرورت ہے، مگر جب جسم و اخلاق دونوں کمال کو پہنچ جاویں تو اب اس کو ابدی اور لازوال آرام کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔اگر بقاء کی خواہش انسان کی فطرت و جبلت میں نہ ہوتی تو علمِ طب کی یہ ترقی نہ دیکھتے جو آج نظر آتی ہے اور مذہب کی تحقیق پر کوئی جلسہ نہ ہوتا۔نیکی اور نیک جلسہ کے اصول منضبط نہ ہوتے۔

روح کی کامل محبت اور پورا پیارا اور پوری چیز جس میں روح کو کامل طمانیت ہے اس کا نام ہے اسلام میں اللہ۔

تمام تعلقات سے خواہ جسمانی ہوں یا خواہ اخلاقی، اندرونی ہوں یا بیرونی، جب انسان کو آرام نہیں ملتا تو جو نام انسان کے لئے راحت بخش ہے اس کا نام ہے اِلٰہِ النَّاسِ۔ انسان کا اصل مطلب اور غایت درجہ کا محبوب اور معبود۔

غرض انسان نے تینوں حالتوں جسمانی، اخلاقی، روحانی میں جو جسم کا مربی، قویٰ کا مربی، روح کا مربی، اس کو اس سورہ میں ربّ النّاس کہا ہے اور وہ ذات جسمانی، اخلاقی، روحانی افعال، اقوال، اعتقادات پر جزا دیتا ہے تب اس کا نام ہے۔مَلِكِ النَّاسِ۔ اور جب وہ انسان کا اصل غرض ذاتی محبوب، غایت مقصود بنتا ہے تو اس کو اِلٰہِ النَّاسِ کہا ہے۔

اب غور فرمائیں کہ جب ہر صورت میں انسان کی حالتوں کی طرف اشارہ کر کے اللہ کریم نے فرمایا کہ ربّ بھی مَیں ہوں اور بادشاہ بھی میں ہوں اور محبوب و مطلوب اور غایتِ مقصود بھی میں ہی ہوں تو میرے بندو! مجھ کامل پاک ذات سے پناہ مانگ لو اور کہہ دو، ہاں ہر ایک انسان تم سے کہہ دے کہ میں ربوبیت اور ضرورتِ حکومت میں اور ضرورتِ محبت میں ربّ النّاس، مَلِكِ النَّاس، اِلٰه النَّاس کی پناہ مانگتا ہوں اور پناہ بھی کس امر میں۔مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ۔ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ۔ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ (الناس: 5 تا 7) یہ قرآن کی آخری سورة کیسی بے نظیر اور لطیف ہے جس میں یہ بیان ہے کہ تم اللہ کریم۔ المولیٰ، الرؤوف الرحیم۔ ربّ النّاس، ملك النّاس، اِلٰه النّاس سے پناہ مانگ لو تمام ان غلطیوں اور وسوسوں سے جو کسی مُوَسۡوِس کے نظارہ یا کلام سے بندہ کو ہوں کیونکہ ان وسوسوں کی مثال ہو بہو اس تکلیف رساں کُتّے کی سی ہے جو آٹھوں پہر کاٹنے کے لئے تیار ہے جس طرح کُتّے سے بچنے کے لئے ہم کو اس کے مالک کی پناہ مانگنی ہے اور اگر اس کا مالک ہمیں بچانا چاہے اور اس کُتّے کو دھتکار دے تو کیا مجال کہ وہ کتا کسی کو کاٹ کھائے اسی طرح انسانی یا شیطانی وسوسوں سے بچنا بھی اس وجود کی پناہ سے ہو گا جو کل مخلوقات کا ربّ اور مالک اور محبوب ہے۔

وسواس نام ہے ہر ایک ایسی چیز کا جس کا بُرا ہونا ہم سے مخفی رہ گیا اور جس کی بدی سے ہم بے خبر رہے اور اس کی شرارت ہمارے جسم پر یا اخلاق پر روحانی معاملات پر اثر ڈالتی ہو یا ڈالا ہو اور ہمیں اس کی اطلاع نہ ملی ہو۔چاہے وہ مخفی چیز ہو چاہے وہ انسان، ہاں شیطان بصورت انسان سے۔میں اپنے لئے آپ یہ دعا مانگتا ہوں اور آپ کو یہ دعا مانگنے کی سفارش کرتا ہوں کہ اس جلسہ میں جو کچھ ہم نے سنا۔اس میں سے جو کچھ ہمارے جسم، اخلاق اور روح کے لئے مفید نہ ہو بلکہ کسی نہ کسی مخفی طریق سے وہ نقصان رساں ہو اس سے آپ پناہ مانگیں جو ربّ النّاس، ملك النّاس اور اِلٰہِ النَّاس ہے کیونکہ انہیں تین صفات کے ماتحت انسانی جسم، اخلاق اور روح کی تکمیل ہوتی ہے۔

اس سورة کو اخیر میں لانے میں یہ حکمت ہے کہ قرآن کر ختم کر کے اور شروع کرتے ہوئے اَعُوۡذُ پڑھنا چاہیے۔چونکہ یہ طریق مسنون ہے کہ قرآن کریم ختم کرتے ہی

شروع کر دینا چاہیے، اس لئے نہایت عمدہ موقعہ پر یہ سورۃ ہے۔ بخاریؒ صاحب نے اپنی کتاب کو اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے شروع کیا ہے، تاکہ سامعین لوگ اور معلّم اور متعلّم اپنی اپنی نیّتوں پر غور کر لیں۔ یاد رکھو جہاں خزانہ ہوتا ہے وہیں چور کاڑ ہے۔ قرآن مجید ایک بے بہا خزانہ ہے۔ اس لئے خطرۂ شیطانی عظیم الشان ہے۔ قرآن کے ابتداء میں یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے اپنی رسومات کے ادا کرنے کے لیے تو مکان بلکہ زمین تک بیچنے سے بھی نہیں ڈرتے، مگر خدا کے لیے ایک پیسہ نکالنا بھی دوبھر ہے۔ ایک قرآن پر عمل کرنے سے پہلو تہی ہے اور خود وضعداری و تکلّف و رسوم کے ماتحت جو کچھ کرتے ہیں اس کی کتاب بنائی جاوے تو قرآن سے دس گنا حجم میں ضخیم ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے، اس کو ہماری عبادت کی ضرورت کیا ہے۔ حالانکہ وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بھی بدپرہیزیوں سے اور احکام کی خلاف ورزی سے دکھ ضرور پہنچتا ہے۔ پس گناہ سے اور احکم الحاکمین کی خلاف ورزی سے کیوں سزا نہ ملے گی۔ ان تمام اقسام کے وسوسوں اور غلط فہمیوں سے (جو اضلال کا موجب ہیں)۔ بچنے کے لیے یہ صورت سکھائی گئی ہے۔ اَعُوۡذُ ان چھوٹے پودوں کو کہتے ہیں جو بڑے درختوں کی جڑ کے قریب پیدا ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کو ایک ربّ کی ضرورت ہے دیکھو انسان غذا کو گڑبڑ کر کے پیٹ میں پہنچا لیتا ہے۔ اب اسے دماغ میں، دل میں، اعضائے رئیسہ میں، بحصہ رسدی پہنچانا یہ ربّ کا کام ہے۔ اسی طرح بادشاہ کی ضرورت ہے، گاؤں میں نمبردار نہ ہو، تو گاؤں کا انتظام ٹھیک نہیں۔ اسی طرح تحصیلدار نہ ہو تو اس تحصیل کا، ڈپٹی کمشنر نہ ہو تو ضلع کا کمشنر نہ ہو تو کمشنری کا، اسی طرح بادشاہ نہ ہو تو اس ملک کا انتظام درست نہیں رہ سکتا اور اس کی مملکت کے انتظام کے لئے بھی ایک مَلِک کی حاجت ہے۔ پھر انسان اپنی حاجتوں کے لیے کس حاجت روا کا محتاج ہے۔ ان تینوں صفتوں کا حقیقی مستحق اللہ ہے۔ اس کی پناہ میں مومن کو آنا چاہیے۔ تاچھپے چھپے پیچھے لے جانے والے مانع ترقی، وسوسوں سے امن میں رہے۔ اسلام کی حالت اس وقت بہت ردّی ہے ہر مسلمان میں ایک قسم کی خود پسندی اور خودرائی ہے۔ وہ اپنے اوقات کو اپنے مال کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد بنایا، پر کچھ پابندیاں بھی فرمائیں، بالخصوص مال کے معاملہ میں، پس مالوں کے خرچ میں بہت احتیاط کرو۔ اس زمانہ میں بعض لوگ سود لینا دینا جائز سمجھتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے، حدیث میں آیا ہے، سود کا لینے والا، دینے والا بلکہ لکھنے والا اور گواہ سب خدا کی لعنت کے نیچے ہیں۔ میں اپنی طرف سے حقِ تبلیغ ادا کر کے تم سے سبکدوش ہوتا ہوں میں تمہاری ایک ذرہ بھی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تم خدا کے ہو جاؤ، تم اپنی حالتوں کو سنوارو خدا تمہیں عمل کی توفیق دے۔ آمین۔ (بدر مورخہ 22 جولائی 1909ء صفحہ 2)

متی کی انجیل کا پہلا صفحہ اٹھا کر دیکھو، وہاں کیا لکھا ہے، نسب نامہ یسوع مسیح داؤد اور ابراہیم کے بیٹے کا، ابراہام سے اسحاق پیدا ہوا اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوا... متان سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ جو مریم کا شوہر تھا جس کے پیٹ سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا۔

حالانکہ یہ وہ کام ہے جو ہمارے ملک میں تو میراثی کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں قرآن مجید شروع ہوتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے۔ یہ وہ آیت ہے جس سے تمام مذاہب کا ردّ ہوتا ہے نہ یسوعیوں کا خداوند اقنوم ثالث رہ سکتا ہے، نہ بلا مبادلہ کے بہانے کسی بے گناہ کو پھانسی چڑھانا پڑتا ہے، اور نہ آریوں کا مادہ روح ازلی و ابدی بن سکتا ہے اور نہ تناسخ والوں کی کوئی دلیل باقی رہتی ہے، جس کا ردّ اس سے نہ ہو سکے، نہ سوفسطائیوں کے لیے تاب ہے، اور نہ برہموؤں کو مسئلہ الہام میں تردد رہ سکتا ہے، اور نہ ہی شیعہ صحابہ کرام پر اعتراض کر سکتے ہیں، نہ دہریہ کسی حجّتِ نیّرہ کی بناء پر خدا کی ہستی کے منکر رہ سکتے ہیں، یہ تو ایک آیت کے متعلق ہے۔ اگر سات آیتیں پڑھی جاویں، تو پھر تمام مذاہب کی صداقتوں کا عطر مجموعہ اس میں ملتا ہے۔ اور دنیا کے آخر تک پیش آنے والے دینی اہم واقعات کی خبر اس میں موجود ہے۔ چنانچہ نصاریٰ کے غلبہ اور مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی بھی موجود ہے۔ ان تمام مفاسد و عقائد فاسدہ کا ابطال ہے۔ جو دنیا میں پیدا ہوئے یا ہو سکتے ہیں۔ اور ان اعمال صالحہ و عقائد صحیحہ کا تذکرہ ہے جو انسان کی روحانی و جسمانی ترقیات کے لیے ضروری ہیں۔

اسی طرح انجیل کا اخیر دیکھو۔ اس میں لکھا ہے کہ یسوع جو خداوند کہلاتا ہے، اپنے دشمنوں کے قبضے میں آ گیا، اور اس نے ایلی ایلی لما سبقتانی (یعنی اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) کہتے ہوئے اپنی جان دی۔ برخلاف اس کے قرآن مجید ختم ہوتا ہے۔ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِکِ النَّاسِ۔ اِلٰہِ النَّاسِ۔ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ۔ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ۔ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَالنَّاسِ قرآن مجید پڑھنے والا، قرآن شریف کا متبّع بڑے زور سے علی الاعلان دعویٰ کرتا ہے، میں خدا کی پناہ میں ہوں، جو تمام انسانوں کو پیدا کرنے والا اور پھر انہیں کمال تک پہنچانے والا ہے۔ وہ سب سے حقیقی بادشاہ حقیقی معبود ہے۔ اللہ اکبر۔ ایک معمولی تھانے دار یا صاحب ضلع بلکہ نمبردار اور پٹواری کی پناہ میں آ کر کئی لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پس کیا مرتبہ ہے اس شخص کا جو تمام جہانوں کے ربّ اور بادشاہ اور سچے معبود کی پناہ میں آ جائے۔

صرف اس کتاب کا اوّل و آخر ہی اسلام اور عیسائیت میں فیصلہ کن ہے۔ اگر کوئی خدا ترس دل لے کر غور کرے۔

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 579 تا 593)

جب کوئی ہادی دنیا میں آتا ہے اسکی شناخت کے طریق

مرتبہ: مدثرہ عباسی

وَ النَّجۡمِ اِذَا ھَوٰی ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَ مَا غَوٰیۚ ○ وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی ○ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ○ عَلَّمَہٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ○ (سورۃ النجم آیت 2 تا 6 کی تفسیر سے)

وہ اللہ تعالیٰ جس کی ذاتِ بابرکات میں جسمانی ظلمتوں میں تمہارے آرام کے واسطے ایسے جسمانی سامان بنائے ہیں جن سے تم آرام پاؤ بشرطیکہ ان کی طرف توجّہ کرو۔ اس نے تمہارے ابدی آرام اور روحانی راحتوں کے واسطے تدابیر نہ رکھی ہوں۔ بے ریب رکھی ہیں۔ جسمانی لیل اور چند گھنٹوں کی رات میں اگر کوئی راہنما ستارہ موجود ہے تو اس روحانی لیل اور غموم اور ھموم کی نہایت بڑی لمبی رات کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل نے تمہاری منزلِ مقصود اور جاودانی آرام تک پہنچانے کا راہنما بھی ضرور رکھا ہوگا۔ وہ کون ہے؟ بے ریب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ثبوت۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی۔ وجہ ثبوت۔ اپنے ہی ملک میں ذرا تجربہ اور بلند نظری سے کام لو۔ نظر کو اونچا کر کے دیکھو یہ شخص تمہارے شرکاء تمہارا اہم صحبتی جس کا نام محمد، احمد، امین ہے اور جس کو تمہارے چھوٹے بڑے انہیں پیارے ناموں سے پکارتے ہیں۔ کیسا ہے؟ کیا تمھارے لیے کافی راہنما نہیں؟ بے ریب ہے، کیونکہ نظریات کا علم ہمیشہ بدیہات سے ہوتا ہے۔ اور غیر معلومہ نتائج تک پہنچنا ہمیشہ معلومہ مقدمات سے ممکن ہے۔ نہایت باریک فلسفی کا پتہ عامہ قواعد سے لگتا ہے۔ جانتے ہو۔ کسی انسان کو انسانِ کامل یقین نہ کرنے کے تین اسباب ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ تم اس شخص کے حالات سے پورے واقف نہیں جس نے ہادی اور انسانِ کامل ہونے کا دعوٰی کیا۔ دوم یہ کہ وہ شخص جس نے ہادیٔ کامل اور انسانِ کامل ہونے کا دعوٰی کیا اسے صحیح علم نہ ہو۔ سوم یہ کہ باوجود علمِ صحیح رکھنے کے اس کی عادت ایسی ہو کہ علمِ صحیح پر عمل نہ کرے۔ سو اس رسول خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ان تینوں عیوب میں سے ایک بھی نہیں۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَ مَا غَوٰی۔ یعنی نہ بھولا اور نہ بے علمی سے کام کیا تمہارے ساتھ رہنے والے نے اور نہ کبھی علمِ صحیح کے خلاف کرنے کا ملزم ہوا۔ پہلی وجہ عدمِ تسلیم کا جواب تو یہ ہے کہ چالیس برس کامل کے تجربہ سے دیکھ لو۔ یہ شخص محمد امین (بابی و امّی صلی اللہ علیہ وسلم) بھلا اس میں کوئی عیب رکھنے کی بات ہے۔ دوسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ مَا ضَلَّ جس کے معنے ہیں کبھی نہ بھولا۔ ہمیشہ تمہاری اور اپنی بہتری کی جو تدبیر نکالی وہ تدبیر آخر مثمر ثمرات نیک ہوئی۔ تیسری وجہ کا جواب دیا۔ وَمَا غَوٰی۔ چالیس برس تمہارے ساتھ رہا اور تمہارا اصاحب کہلایا مگر کبھی کسی بدعملی کا ملزم ہوا؟ ہرگز نہیں۔ چالیس برس تک جس نے راستی اور راست بازی کا برتاؤ کیا۔ جس کے ہاتھ پر صدیق نے بھی بیعت کی۔ جس کے سینکڑوں مریضوں میں سے ایک بھی تبلیغ احکامِ اسلام میں کذب کا ملزم نہ ہوا۔ وہ جس نے کبھی مخلوق پر افتراء نہ باندھا اب وہ کیا ہماری ذات پاک پر مفتری ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ اگر اپنے پہلے تجارب اور اپنے پہلے معلومات صحیحہ پر نظر کروگے اور اس کے چالیس سال کے برتاؤ سے پتہ لوگے تو یہ نتیجہ نکلے گا۔

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی ۔ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی اور سُنو! اس کے علوم اور اس کی ہدایات کسی کمزور معلّم کی تعلیم کا نتیجہ نہیں اور نہ ایسا ہے۔ کہ یہ پورا تعلیم یافتہ نہ ہو۔ اس کی تعلیم تو اس کی نبوّت اور رسالت کا عمدہ نشان ہے۔ اس کی تعلیم بڑے طاقت ور معلم کی تعلیم ہے اور یہ بھی تعلیم کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ کر ٹھیک اور درست ہو چکا ہے۔ یہی معنی ہے آیات ثلٰثہ کا: اور نہیں بولتا اپنی خواہش سے مگر جو بولا وہ الٰہی الہام ہے جو بھیجا گیا۔ جب کوئی ہادی دنیا میں آتا ہے تو اس کی شناخت کے کئی طریقے ہوتے ہیں۔

اوّل۔ جاہل اور بے علم نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے ہادی کے لیے ضروری ہے کہ وہ نادان اور بے خبر نہ ہو۔ اب کتاب اللہ کو پڑھو اور دیکھو کہ جو معارف اور حقائق اس میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ ایسے ہیں کہ کسی جاہل اور نادان کے خیالات کا نتیجہ ہو سکتے ہو۔ سوچو! اور پھر سوچو!!! نادان ایسی معرفت اور روح و راستی سے بھری ہوئی باتیں نہیں کر سکتے۔ دوم۔ وہ ہادی اجنبی نہ ہو۔ کیونکہ ایک ناواقف انسان دور دراز ملک میں جا کر بدکار اور شریر ہونے کے بھی چند روز تصنّع اور ریاکاری کے طور پر اپنے آپ کو نیک ظاہر کر سکتا ہے۔ پس ہادی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کا واقف ہوں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوٰی صاف ہے کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہادی یا امام مرشد اپنے سچے علوم کے مطابق عمل درآمد بھی کرتا ہو۔ اوروں کو بتلادے اور خود نہ کرے۔ پس اس امر کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت فرمایا ہے۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی۔ حضور کے عمل درآمد کا یہ حال ہے کہ جنابہ صدیقہ علیہا السلام نے ایک لفظ میں سوانح عمری بیان فرمادی۔ کَانَ خُلُقُہٗ الۡقُرۡاٰنُ یعنی آپؐ کے اعمال و افعال بالکل قرآن کریم ہی کے مطابق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ہادی کی ضرورت اور پھر اس میں جو ضروری اوصاف ہونے

جاہئیں۔ پھر ان اوصاف کا اعلیٰ و اکمل واتم طور پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں پایا جانا جس دل آویز و دلنشین پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کی ان اعجازی خواص میں سے ہے۔ جو بالخصوص اسی کتاب حکیم میں پائے جاتے ہیں۔ پہلے تو وَالنَّجۡمِ اِذَا ھَوٰی فرما کر جسمانی انتظام سے روحانی نظام کی طرف متوجہ کیا۔ النّجم کے سمت الرّاس سے نیچے ہونے کی وجہ سے مغرب۔ مشرق۔ جنوب۔ شمال کے راستوں کا علم ہوتا ہے۔ جب جسمانی بہتری و بہبودی کے لیے یہ انتظام ہے۔ تو روحانی دنیا میں صراط مستقیم کی ہدایت کے واسطے کسی النّجم کی ضرورت کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ تین وصف اس راہنما میں ہونے ضروری ہے۔ ایک تو وہ خود واقفِ کار ہو۔ اسے نیکی و بدی نافع وضار کا علم ہو۔ دوم۔ وہ اجنبی نہ ہو۔ اس ملک کے رسم و رواج۔ مذاق۔ عادات۔ حالات سے آگاہ ہو۔ اور اس ملک کے باشندے بھی اس کے کیریکٹر۔ علم۔ قابلیت کو خوب جانتے ہوں تا کہ نہ وہ دھوکہ کھائے۔ نہ اس کے بارے میں احتمال ہو کہ یہ ہمیں دھوکہ دے گا؟ سوم عالم باعمل ہو۔ اپنے علم کو اپنی اور اپنے بھائی بندوں کی اصلاح میں خرچ کرنے والا ہو۔ نہ یہ کہ وہ اپنے علم سے مفاسد وشرارت کو بڑھانے والا ہو۔ یہ اوصاف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اعلیٰ درجے کے انتہائی کمال کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ آپؐ کا علم ایسا کہ شدید القویٰ نے آپؐ کو سکھایا۔ وَھُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی کا خطاب پا کر یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ (الجمعہ 3:) آپ کی شان میں آیا۔ پھر جو کچھ آپ نے فرمایا۔ وہ ھَوٰی نہیں تھا۔ بلکہ وَحۡیٌ یُّوۡحٰی تھا۔ اس لیے آپ پر مَا ضَلَّ خوب صادق آتا ہے۔ اور اجنبی نہیں۔ اس کے لیے صَاحِبُکُمۡ فرمایا۔ عرب کے عمائد و اہل الرائے آپ کے مکارمِ اخلاق کے مقرّ تھے۔ آپؐ نے اپنے اعلیٰ کیریکٹر کا دعویٰ بڑی تحدی سے پیش کیا اور فرمایا۔ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (یونس 17:) امین کا لقب تو آپؐ پا ہی چکے تھے اور یہ کہ آپ اپنے علم سے لوگوں کو سیدھی راہ پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ واقعات اس کی تصدیق کر رہے تھے۔ وہ لوگ جو زنا۔ شراب۔ جوابازی جیسے بدترین گناہوں کو اپنی مجالس میں بڑے فخر کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ وہ اپنے کیے پر نادم ہوئے اور شراب کے پانچ بلکہ آٹھ وقتوں کی بجائے اتنے وقتوں کی نمازیں پڑھنے لگے۔ ایسا ہی ہر بدی کو چھوڑ کر اس کے مقابلہ میں انہوں نے ایک نیکی اختیار کر لی۔ پس مَا غَوٰی آپؐ پر صادق آیا۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 24 تا 26)

❀❀❀

محبتوں کو پھلنے پھولنے دیجئے

تحریر: امتہ الحفیظ

سپر گلو، گوند، سوئی دھاگہ، پیپر پن، بلو ٹیک... واٹس ایپ، فیس بک، انسٹاگرام... ایک دن سوچوں کا دھارا اس طرف بہہ نکلا کہ یہ سب چیزیں مجھے کیوں اچھی لگتی ہیں؟؟؟

آپ بھی سوچیئے ذرا... کہ ان سب کا آخر آپس میں کیا تعلق ہے؟؟؟

چلیے بتاتی ہوں مجھے یہ سب اس لئے اچھی لگتی ہیں کہ یہ سب چیزیں جوڑنے کا عمل کرتی ہیں۔ سپر گلو سے پیپر پن تک بکھرے کاغذ، ہر طرح کی چھوٹی اشیاء، ٹوٹ کر بکھری چیزوں کو جوڑنے کا عمل...

اسی طرح واٹس ایپ، فیس بک، انسٹاگرام ان کے منفی اثرات سے بچتے ہوئے ان کے مثبت اثرات پر غور کیجیے تو انہوں نے ہمیں بہت قریبی رشتے جو ہم دوریوں کی وجہ سے بھولنے لگے تھے ان سے پھر قریب کر دیا ہے۔ اور نہ صرف بھولے بسرے رشتوں کو نئے سرے سے جوڑ دیا ہے بلکہ نئے ایسے رشتوں سے ملا دیا ہے جو شائد ہم ایک عمر گزرنے کے بعد بھی نہ جوڑ سکتے۔ محبتوں کو بڑھانے کا سلسلہ ہے جوڑنے کا عمل ہے جو جاری ہے...

خدا تعالی محبت کرنے والا ہے اور محبت کو پسند فرماتا ہے۔ اور جو اسکے بندوں سے پیار کرنے والے ہوں تو وہ بھلا کیسے انکو بھول سکتا ہے کبھی بھی نہیں...

خدارا سوچیئے ذرا اس انداز سے کہ ہم کس طرح محبتوں کو ضرب دے کر نفرتوں کی تفریق کر سکتے ہیں۔ یقیناً اسمیں بہت سارا حصہ اپنی محبتوں کا ادا کرنا ہوگا۔ خود گھاٹا کھا کر دوسروں کو نفع پہنچانا ہوگا۔ لیکن مت بھولئے کہ اس طرح کرنے سے آپ کو کبھی نقصان نہیں ہوگا صرف اور صرف محبتوں کے ہی سودے ہیں جن میں کبھی گھاٹا نہیں ہوتا ہمیشہ نفع کا سودا ہی رہتا ہے۔ آزمائش شرط ہے...

تو آیئے ایک نئے انداز سے سوچیئے اور اس پر عمل کیجیے۔ رشتوں کو، دوستیوں کو، محبتوں کو اگر کہیں پائیں، دیکھیں، اور محسوس کریں تو خدارا انکو پھلنے پھولنے دیجیے۔ اپنے فائدے کے لئے محبتوں کو کاٹیے مت۔ مت بھولیے کہ آپ کبھی بھی اسکے نقصان سے خود کو بچا نہیں پائیں گے اس لئے صرف محبتوں کو بڑھانے والے، دلوں میں دوریوں کو کم کرنے والے وجود بنیں۔ اگر آپ کی وجہ سے رشتے مزید جڑتے اور محبتوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں تو اسمیں آپکی نہ صرف بہت بڑی کامیابی ہے بلکہ آپ یقیناً خدا تعالی کی محبتوں کو تو حاصل کرنے والے ہوں گے ہی اسکے بندوں کے دلوں میں بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے... انشاء اللہ

❀❀❀

اصحاب کہف / اصحاب الرقیم

تحریر: محی الدین عباسی

معزز قارئین کی معلومات کے لیے اس ماہ سے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ کا یہ پہلا مضمون پیشِ خدمت ہے۔ دیگر ان سے متعلق جو ہماری اسلامی تاریخ کا حصہ ہیں یعنی (اصحاب) سے متعلق مضامین آپ آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ علاوہ ازیں ابتدائی حصہ مضمون کا اُردو ترجمہ قرآن حضرت مرزا طاہر احمد سے لیا گیا ہے اس کے بعد دوسرا حصہ اَطلس القرآن (تالیف ڈاکٹر شوقی ابُوخلیل) سے لیا گیا ہے۔

سورۃ الکہف کا آغاز سورۃ بنی اسرائیل کے اسی مضمون سے ہوا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بندہ ہونے کو بڑی صراحت اور جلال سے پیش فرمایا گیا ہے اور بہت ہی سادہ الفاظ میں یہ اعلان فرمادیا گیا کہ انہیں علم ہی کوئی نہیں کہ حضرت عیسیٰ کیسے پیدا ہوئے اور نہ یہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ تولید کے نظام سے کلیۃً پاک ہے۔ وہ اللہ پر بہت ہی بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے دعویٰ کی کوئی بھی حیثیت نہیں۔

اس کے بعد ابتدائی عیسائیوں کا ذکر فرمایا گیا کہ کس طرح وہ توحید کی حفاظت کی خاطر سطح زمین کو چھوڑ کر غاروں میں چلے گئے۔ اصحاب کہف کے ذکر سے پہلے ان ابتدائی آیات میں یہ فرمایا گیا تھا کہ دنیا کی جو ظاہری نعمتیں بنی نوع انسان کو عطا کی گئی ہیں وہ ان کی آزمائش کی خاطر ہیں لیکن ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہ نعمتیں ان سے چھین لی جائیں گی اور اُن لوگوں کو عطا کر دی جائیں گی جنہوں نے اللہ کی خاطر سطح زمین کی زینت کی بجائے غاروں میں زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی۔

اس کے بعد دو ایسی جنتوں یعنی باغوں کی مثال دی گئی ہے جن کی وجہ سے ایک شخص دوسرے پر فخر کرتا ہے کہ مجھے تو یہ سب کچھ عطا ہوا ہے اور میرے مقابل پر تم تہی دست ہو۔ لیکن ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمادی گئی کہ جب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے بگولے تمہاری نعمتوں پر اُتریں گے تو تمہیں خاکستر کر دیں گے۔ صَعِیۡدًا جُرُزًا وہی والا مضمون دوسرے لفظوں میں دہرایا گیا ہے۔

اسی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس سفر کا ذکر ملتا ہے جس میں انہیں اپنی امت کی آخری حد دکھادی گئیں اور اُس مقام کی نشان دہی فرمادی گئی جہاں روحانی غذا کی مچھلی واپس سمندر میں چلی گئی اور یہ عیسائیت کے ظہورِ اسلام سے پہلے کے اُس دَور کی طرف اشارہ ہے جب وہ روحانیت کھو چکی تھی۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تمثیل میں اُس بزرگ کی صورت میں دکھایا گیا ہے جسے عوام الناس حضرت خضر کہتے ہیں اور بتایا گیا کہ جو حکمتیں اس کو عطا کی جائیں گی وہ موسیٰ علیہ السلام کی پہنچ سے بالا ہیں اور ان کی کُنہ تک پہنچنے کے لئے جس صبر کی ضرورت ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کو عطا نہیں ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰؑ پر یہ فضیلت عطا ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے ہمراز بنائے گئے۔

اس کے بعد ذوالقرنین کا ذکر آتا ہے جو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آپؐ کو دو زمانوں کی بادشاہی دی جائے گی۔ ایک اوّلین کی اور ایک آخرین کی۔ اس میں جو ذوالقرنین کے سفر کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ اپنے اندر بہت سے اشارے رکھتی ہیں جن کی تفصیل یہاں بیان نہیں کی جاسکتی مگر ایک بات بہر حال حتمی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا پھیلاؤ مغرب تک بھی ہوگا جہاں اہل مغرب کے باطل خیالات کے گدلے پانی میں سورج غروب ہوتا دکھائی دیتا ہے اور مشرق میں سفر اس سرزمین تک ہوگا جس سے پرے سورج اور زمین کے درمیان کوئی اوٹ نہیں۔

اس سورت کے آخر پر قطعیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں عیسائیت کے عروج و زوال کا قصہ بیان فرمایا گیا ہے۔ عروج ابتدائی موحدین کی وجہ سے ہوا تھا اور زوال اس وقت ہوا جبکہ ایک اللہ کا عقیدہ بگڑتے بگڑتے سینکڑوں بلکہ ہزاروں اولیاء کو خدا ماننے پر منتج ہوا۔ چنانچہ عملاً آج فرضی Saints کو جو الوہیت کا رتبہ دیا جا رہا ہے اس کا اس سورت کے آخر پر یوں ذکر ہے کہ اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نُزُلًا کہ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر رہے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو اس کے سوا اولیاء بنالیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا واضح عرفان عطا کیا گیا تھا کہ اس سورت کا تعلق دجّال سے ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص اس سورت کی پہلی دس آیات اور آخری دس آیات کی تلاوت کیا کرے گا وہ دجّال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ اور باوجود اس کے کہ آپؐ بھی ایک بشر ہی تھے آپ کی زبان سے یہ اعلان کروایا گیا کہ مَیں بشر تو ہوں مگر ہر قسم کے شرک سے پاک۔ پس اگر تم بھی چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی لقاء تمہیں بھی نصیب ہو تو اپنے آپ کو ہر قسم کے شرک سے پاک کر لو۔ یہاں وحی الٰہی کے جاری رہنے کی پیشگوئی بھی فرمائی گئی ہے۔ اللہ کے پاک بندے جو اپنے آپ کو شرک سے پاک رکھیں گے، اللہ تعالیٰ اُن سے بھی ہمکلام ہوگا۔

سورۃ الکہف آیت 10 کا ترجمہ: کیا تُو گمان کرتا ہے کہ غاروں والے اور تحریروں والے

ہمارے نشانات میں سے ایک عجب نشان تھے؟اس کی تشریح ہے۔

اصحاب الرقیم کا مطلب ہے تحریروں والے۔ان لوگوں نے اپنی کہف میں نہایت ہی اہم تحریریں چھوڑی تھیں جن پر فی زمانہ اہلِ یورپ نے بہت تحقیق کی ہے۔یہ آیت بھی ایک اعجاز رکھتی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحابِ کہف کا تو علم ہوا ہوگا لیکن ان کو اصحاب الرقیم کہنا یہ عالم الغیب کے سوا کوئی آپ کو بتا نہیں سکتا۔

سورۃ الکہف آیت 12 ترجمہ: پس ہم نے غار کے اندر ان کے کانوں کو چند سالوں تک (باہر کے حالات سے) منقطع رکھا۔اس کی تشریح ہے۔

یہاں سنین سے مراد نو سال تک کا عرصہ ہے کیونکہ یہ سنۃ کی جمع ہے جو تین سے نو تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اگرچہ موحد عیسائیوں کا غاروں میں جا کر اپنے ایمان کو بچانے کا پورا عرصہ تین سو سال سے کچھ زائد ہے۔لیکن عملاً وہ نو سال سے زیادہ غاروں میں نہیں رہے۔کیونکہ اس تین سو سال کے عرصہ میں جب مخالفت کم ہو جاتی تھی تو وہ غاروں سے باہر آجاتے تھے۔آیت نمبر 19 کی تشریح۔''تو انہیں جاگا ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں'' سے مفسرین کے نزدیک ظاہری نیند مراد ہے جو درست نہیں۔یہ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ باہر کے حالات سے ناواقف تھے گویا یہ عرصہ ان کے لئے نیند کا عرصہ تھا۔

اگر ظاہری طور پر سویا ہوا مراد ہوتا تو یہ ذکر نہ آتا کہ تُو ان کو دیکھے تو ان سے خوف کھائے اور تیرا دل رعب سے بھر جائے۔سوئے ہوئے آدمی کو دیکھ کر انسان نہ رعب سے بھرتا ہے نہ خوف کھاتا ہے۔دراصل وہ سخت جفاکش لوگ تھے اور جب بھی اہلِ روم نے غاروں میں اتر کر ان کو پکڑنے کی کوشش کی تو غار کے منہ پر ایک کتا ان کی حفاظت کرتا ہوا پایا۔اس کے بھونکنے سے ان کو سمجھ آجاتی تھی کہ حملہ ہوا ہے اور وہ اپنے دفاع کے لیے اور چھپنے کے لیے پہلے ہی سے تیار ہو جاتے تھے۔آیت نمبر 23 کی تشریح

اصحابِ کہف کی تعداد کے متعلق مختلف روایتیں ملتی ہیں لیکن ہر جگہ مبینہ تعداد کے ساتھ ان کے کتے کا بھی ذکر ہے۔عیسائی قومیں جو کتے سے محبت کرتی ہیں ان کو ابھی تک یہ علم نہیں کہ وہ کیوں کتے سے محبت کرتی ہیں۔بائبل میں تو کوئی ایسا ذکر نہیں ملتا۔قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ ایک بہت لمبے عرصے تک سچے عیسائی اپنی حفاظت کے لیے کتے کو استعمال کرتے رہے اس لئے ان کو اپنے وفادار دوست سے محبت پیدا ہونا ایک طبعی امر ہے۔

جہاں تک ان کی تعداد کا تعلق ہے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرمایا گیا کہ اصحابِ کہف کے بارہ میں تفصیلی علم کسی کو نہیں دیا گیا اس لیے ان سے اس بارہ میں سرسری بات کیا کر، تفصیلی بحث میں نہ پڑا کر۔

آیات 61 تا 62 میں حضرت موسیٰ کے ایک کشف کی طرف اشارہ ہے جس میں ان کی اُمّت میں ظاہر ہونے والے عیسیٰ کو ان کے ساتھ پر دکھایا گیا۔حُوت سے مراد روحانی تعلیم ہے جو روحانی غذا کا موجب بنتی ہے۔مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت اور موسوی اُمّت کا سنگم ہے۔یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں سمیت موسوی اُمّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک چلے گی لیکن اس سے بہت پہلے عیسائیت بگڑ چکی ہوگی۔مچھلی کے ہاتھ سے نکل جانے سے مراد یہی ہے۔

آیات 84 تا 87: ذوالقرنین سے اصل مراد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے ایک زمانہ تو حضرت موسیٰؑ اور ان کی اُمّت کا پایا اور ایک آئندہ زمانہ میں آپؐ کی اُمّت کے احیائے نو کے لیے آپؐ کے کسی خادم و مطیع کو مبعوث فرمائے گا۔اس طرح یہ دونوں زمانے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔لیکن اس بات کو جس تصویری زبان میں بیان کیا گیا ہے وہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے غالباً خورس (CYRUS) بادشاہ مراد ہے جس کے متعلق بائبل میں بھی ذکر ہے۔وہ غیر معمولی طور پر روحانی قوتوں والا انسان تھا اور موحّد تھا۔اس کے مشرق و مغرب کے سفروں کا ذکر ان آیات کریمہ میں ملتا ہے۔اور دیوار بنانے کا جو ذکر ہے وہ ایک نہیں بلکہ کئی دیواریں ہیں جو قدیم زمانے سے حملہ آوروں کو روکنے اور ایسی قوموں کو بچانے کی خاطر بنائی گئیں جو براہِ راست دفاع کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ان میں سے ایک دیوار تو روس میں ہے اور ایک دیوارِ چین بھی ہے۔یعنی دیواروں کے ذریعے حفاظت کرنا اس زمانہ کا رواج تھا۔

حضرت خلیفہ نور الدین یہاں ذوالقرنین کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام یا لڑکے کو کہا تھا۔عِشۡ قَرۡناً تو ایک قرن زندہ رہ تو وہ ایک سو سال زندہ رہا اور علی رضی اللہ عنہ کو بھی ذوالقرنین کہتے ہیں اسی طرح اس زمانہ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ذوالقرنین مانتے ہیں۔

(حقائق الفرقان جلد سوم)

سورۃ الکہف کی آیات 94 تا 97 کی تشریح: ان آیات میں جس دیوار کا ذکر چل رہا ہے وہ ترکی اور روس کے درمیان دربند کی دیوار ہے جس کے ذریعہ بحیرہ اخضر اور کوہِ قاف کے درمیانی راستہ کو بند کر دیا گیا تھا جو بعض کمزور قوموں کو مغربی قوموں کے حملے سے بچانے کے لیے خورس نے تعمیر کی تھی۔خورس نے اس کے بدلے ان سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا بلکہ محنت اور لوہا اور تانبا طلب کیا اور تعمیری کام بھی خورس بادشاہ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے ہی سرانجام دیا۔

وہ زمانہ جس میں یاجوج ماجوج کا دنیا میں خروج ہوگا اس زمانہ میں یہ دیواریں بے معنی ہو چکی ہوں گی۔اور یاجوج ماجوج کے سب دنیا پر غلبہ کا ذکر اس طرح ملتا ہے جس طرح سمندری لہریں موج در موج بڑھتی ہیں۔پس ان کا غلبہ دراصل سمندری غلبہ کے نتیجہ میں شروع ہونا تھا۔(قرآنِ کریم اردو ترجمہ صفحہ 483 تا 502)

''کہف'' سے مراد پہاڑ کے اندر وسیع غار ہے۔اور ''رقیم'' سے مراد تختی ہے، جس میں مشہور قول کے مطابق اصحابِ کہف کے نام لکھے گئے تھے۔اس وقت ایک بت پرست بادشاہ دقیانوس روم کا حکمران تھا۔اصحاب کہف کا شہر طرسوس ان دنوں حکومتِ روم کے ماتحت تھا۔وہ بادشاہ ہر مومن کو قتل کر دیتا تھا۔ان نوجوانوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو بہت فکر مند ہوئے اور بھاگ کر ایک چرواہے اور اس کے کتے سمیت طرسوس کے قریب ایک غار میں پناہ حاصل کر لی۔اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی حتیٰ کہ وہ تین سو

شمسی سال تک سوئے رہے جبکہ ان کو اس بات کا احساس و شعور تک نہ تھا۔ اس مدت کو اگر قمری سالوں میں تبدیل کیا جائے تو تین سو نو سال بن جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جگادیا۔ انہوں نے سمجھا کہ وہ ایک آدھ دن سوئے ہوں گے۔ انہوں نے جب اپنے میں سے ایک کو کھانا لینے کے لیے بھیجا تو اس نے سمجھا میں راستہ بھول گیا ہوں۔ لوگوں نے اس کے دیئے ہوئے سکوں پر تعجب کیا۔ حتیٰ کہ صورت حال واضح ہوگئی۔ اب سابقہ حالات بدل چکے تھے۔ دقیانوس کا بت پرستی کا دور ختم ہو چکا تھا۔ دینِ حق کا دور دورہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو دوبارہ اسی غار میں موت دے دی۔ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ہم ان پر بطور یادگار ایک مسجد بنائیں گے۔

اضافی توضیحات و تشریحات

قرآن کریم میں ان کا قصہ مختصراً سورۃ کہف میں مذکور ہے' اسی بناء پر یہ سورۃ الکھف کہلاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ قریش نے مدینے کے احبار (علمائے یہود) سے کہا کہ وہ انہیں چند ایسی باتیں بتائیں جن سے وہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان لیں۔ یہود نے تین امور کے متعلق استفسار کرنے کو کہا: (1) اصحاب کہف (2) ذوالقرنین اور (3) روح۔ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کا ذکر اسی سورت میں ہے جبکہ روح کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے... اصحابِ کہف کو قرآن نے اصحاب الکھف والرقیم سے تعبیر کیا ہے۔ رقیم بمعنی مرقوم یعنی لکھی ہوئی چیز۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ اس پہاڑی کا نام ہے جہاں وہ غار تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس گاؤں کا نام ہے جہاں اصحابِ کہف رہتے تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 827/2)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ کعب احبار کے خیال میں "رقیم" ایلہ کے نزدیک ایک شہر کا نام ہے۔ ابن عباسؓ ہی کی روایت کے مطابق رقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار (کہف) واقع ہے اور اس پہاڑ کا نام بنجلوس ہے۔ ابن عباسؓ ہی کہتے ہیں کہ میں نہیں بتا سکتا کہ رقیم تحریر تھی یا جگہ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ:1707)

اصحاب کہف کا شہر کون سا تھا؟: اصحابِ کہف کا واقعہ کہاں پیش آیا تھا' اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ یاقوت نے معجم البلدان میں "رقیم" کی ذیل میں اس قسم کے اور غاروں کا بھی ذکر کیا ہے' مثلاً نواحِ دمشق میں' اندلس میں' قسطنطنیہ کے قریب۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اردن کے شہر بترا (Petra) میں پیش آیا تھا لیکن اس کی کوئی تاریخی سند نہیں ملتی' البتہ اب زیادہ تر ایشیائے کوچک (ترکی) کے شہر افسوس یا افسس (Ephesus) پر اتفاق پایا جاتا ہے لیکن اطلس القرآن میں ڈاکٹر شوقی ابوخلیل نے متعلقہ نقشے میں جنوبی ترکی کے شہر طرسوس کے شمال میں کچھ فاصلے پر افسوس کا تعین کیا ہے جو درست نہیں۔ تمام مستند نقشوں اور اٹلسوں میں تاریخی شہر افسوس کے کھنڈرات ترکی کے مغربی ساحل کے قریب جس جگہ دکھائے جاتے ہیں وہ ازمیر کی بندرگاہ سے تقریباً 60 کلومیٹر جنوب میں اور شہر آیدین سے 42 کلومیٹر مغرب میں ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے: اصحاب کہف کا قصہ عیسائیوں اور یہودیوں میں معروف تھا اسی لیے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا تھا۔ یہ قصہ مسیحی دنیا میں مذہبی تقدس کا درجہ رکھتا تھا۔ مسیحی روایات میں یہ "افسوس کے سات سونے والوں" (Seven Sleepers of Ephesus) کے نام سے مشہور ہے۔ جن مشرقی زبانوں میں یہ مسیحی روایت موجود ہے ان میں سب سے قدیم روایت پانچویں صدی میلادی کے اواخر کی سریانی میں یعقوب کی ہے۔

اس واقعے کی ابتداء رومی شہنشاہ دقیوس یا دقیانوس (Dacius 201ء تا 251ء) کے زمانے میں ہوئی۔ اس نے کوشش کی کہ رومیوں میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا احیاء کرے اور عیسائیت کا قلع قمع کرے۔ اس نے عیسائیوں پر بہت ظلم ڈھائے' انہیں بت پرستی پر مجبور کیا اور بے شمار کو تہ تیغ کیا۔ مقامِ افسوس کے یہ سات یا آٹھ نوجوان ایک غار میں پناہ گزین ہوئے۔ دقیوس نے اس غار کا دہانہ پتھروں سے پاٹ دیا۔ ان کے دو عیسائی دوستوں نے دھات کی تختیوں پر ان کا قصہ لکھ کر ان پتھروں کے نیچے دبا دیا تاکہ آئندہ زمانے میں لوگوں کو ان کے احوال سے واقفیت ہو جائے۔ مدتوں بعد شہنشاہ تھیوڈوسیس (Theodosius) ثانی (408 تا 450ء) کے زمانے میں' جب عیسائیت کا عروج ہو چکا تھا' ایک فتنہ برپا ہوا۔ ایک پادری نے قیامت کے روز مردوں کے زندہ ہونے کا انکار کر دیا۔ شہنشاہ پریشان ہوا کہ اس فتنے کا رد کس طرح کیا جائے۔ اتفاق سے کسی نے غار کے دہانے سے پتھر اٹھا لیے۔ یہ نوجوان صحیح حالت میں بیدار ہو گئے۔ اس طرح شہنشاہ کو اس فتنے کے رد کا ثبوت مل گیا' جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ہم نے اس طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔" (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 2)

ہمارے مفسرین جس شہر کو افسس یا افسوس لکھتے ہیں اور گبن اس کا نام افسس (Ephesus) بتاتا ہے جو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر رومیوں کا سب سے بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ تھا' جس کے کھنڈر آج موجودہ ترکی کے شہر ازمیر (سمرنا) سے 20-25 میل بجانب جنوب پائے جاتے ہیں۔ پھر جس بادشاہ کے عہد میں اصحابِ کہف جاگے اس کا نام ہمارے مفسرین تیذوسیس لکھتے ہیں اور گبن لکھتا ہے کہ ان کے بعثت کا واقعہ قیصر تھیوڈوس (Theodosius) ثانی کے زمانے میں پیش آیا جو رومی سلطنت کے عیسائیت قبول کر لینے کے بعد سن 408ء سے 450ء تک روم کا قیصر رہا۔ دونوں بیانات کی مماثلت کی حد یہ ہے کہ اصحابِ کہف نے بیدار ہونے کے بعد اپنے جس رفیق کو کھانا لانے کے لیے شہر بھیجا تھا اس کا نام ہمارے مفسرین "یملیخا" بتاتے ہیں اور گبن اسے "یملیخس" (Jamblchus) لکھتا ہے۔ قصے کی تفصیلات دونوں روایتوں میں یکساں ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قیصر ڈیسئس کے زمانے میں جب مسیحؑ کے پیروؤں پر سخت ظلم و ستم ہو رہے تھے' یہ سات نوجوان ایک غار میں جا بیٹھے تھے۔ پھر قیصر تھیوڈوسیس کی سلطنت کے اڑتیسویں سال (یعنی تقریباً 445 یا 446ء) میں یہ لوگ بیدار ہوئے جبکہ پوری سلطنت مسیحؑ کی پیرو بن چکی تھی۔ اس حساب سے غار میں ان کے رہنے کی مدت

تقریباً 197 سال بنتی ہے۔“

بعض مستشرقین نے اس قصے کو قصہ اصحابِ کہف کا مترادف ماننے سے اس بناء پر انکار کیا ہے کہ آگے قرآن ان کے قیامِ غار کی مدت 309 سال بیان کر رہا ہے۔ اس اعتراض کا جواب سورۂ کہف کی آیت 26 کی تفسیر میں علمائے کرام نے یوں دیا ہے۔ لکھتے ہیں: ” اس فقرے کا تعلق ہمارے نزدیک جملہ معترضہ سے پہلے کے فقرے کے ساتھ ہے یعنی سلسلۂ عبارت یوں ہے کہ ”کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا... اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور بعض لوگ اس مدت کے شمار میں نو سال اور بڑھا گئے ہیں۔“ اس عبارت میں تین سو اور تین سو نو سال کی تعداد جو بیان کی گئی ہے ہمارے خیال میں یہ دراصل لوگوں کے قول کی حکایت ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا قول۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بعد کے فقرے میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ تم کہو ’ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت رہے۔ اگر 309 کی تعداد اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہوتی تو اس کے بعد یہ فقرہ ارشاد فرمانے کے کوئی معنی نہ تھے۔ اسی دلیل کی بنا پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بھی یہی تاویل اختیار فرمائی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول نہیں ہے بلکہ لوگوں کے قول کی حکایت ہے۔

اِفسُوس: یہ ایشیائے کوچک (ترکی) کے مغربی ساحل پر قدیم یونانی شہر ہے۔ یہاں ڈائنا دیوی کا مندر دنیا کے سات (قدیم) عجوبوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ شہر ابتدائی مسیحیت کا بھی مرکز رہا۔ سینٹ پال (پولوس) نے یہاں تبلیغ کی اور سینٹ جان (یوحنا) بھی یہاں مقیم رہے۔ اس زمانے میں افسوس ساحل سمندر پر واقع تھا لیکن کثیر مقدار میں گاد جمع ہوتے رہنے سے اس کے کھنڈر ان دنوں ساحل سے 5 کلومیٹر ہٹ کر پائے جاتے ہیں۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری) یہ شہر بحیرہ ایجین کے ساحل پر واقع ہے۔ سلجوقی ترکوں کے دور میں یہ تباہ ہو گیا۔ یہاں آرٹیمس دیوی (اپالو کی بہن جے وی ڈائنا کہتے تھے) کا مندر تھا یہیں 431ء میں کلیسائی کونسل منعقد ہوئی جس نے مسیح کے ایک خدا (نعوذ باللہ) ہونے کا اعلان کر دیا۔ (المنجد فی الاعلام)

ازمیر: ترکی کا یہ شہر بحیرہ ایجین کے ساحل پر واقع ہے۔ ماضی میں اسے سمرنا کہتے تھے۔ اس کی آبادی 15 لاکھ سے زائد ہے۔ یہ صوبائی دار الحکومت اور اہم بندرگاہ ہے۔ یہاں کئی تاریخی زلزلے آئے۔

طرسوس: جنوبی ترکی میں دریائے طرسوس کے کنارے واقع ہے۔ آبادی پونے دو لاکھ ہے موجودہ مسیحیت کا بانی سینٹ پال یہیں پیدا ہوا تھا۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی نے اسے فتح کیا اور یہیں وفات پا کر دفن ہوا۔ (المنجد فی الاعلام)

❀❀❀

خوبصورت معاشرے ایسی ہی ماؤں سے تشکیل پاتے ہیں۔

(1)

ایک عورت نے ہمسائیوں کے دروازے پر دستک دی اور ان سے نمک مانگ لیا، اسکا بیٹا یہ منظر دیکھ رہا تھا کہنے لگا ”امی جی! ابھی کل ہی تو میں نمک بازار سے لے آیا تھا پھر یہ ہمسائیوں سے مانگنے کی کیا ضرورت تھی؟“

ماں جی کہنے لگی، ”بیٹا! ہمارے ہمسائے غریب ہیں وہ وقتاً فوقتاً ہم سے کچھ نہ کچھ مانگتے رہتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ ہمارے کچن میں نمک موجود ہے لیکن میں نے ان سے نمک صرف اس لئے مانگ لیا تاکہ وہ ہم سے کچھ مانگتے ہوئے ہچکچاہٹ اور شرمندگی محسوس نہ کریں، بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ ہمسائیوں سے حسب ضرورت چیزیں مانگی جا سکتی ہیں، یہ ہمسائیوں کے حقوق میں سے ہے۔“

(2)

ایک عربی کو کہا گیا کہ تم مرجاؤ گے اس نے کہاں پھر کہاں جائیں گے؟

کہا گیا کہ اللہ کے پاس!!

عربی کہنے لگا آج تک جو خیر بھی پائی ہے اللہ کے یہاں سے پائی ہے پھر اس سے ملاقات سے کیا ڈرنا؟ کس قدر بہترین حسنِ ظن ہے اپنے اللہ سے۔

ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جس کی دعا قبول کی جاتی ہے؟

بزرگ نے جواب دیا نہیں، مگر میں اس کو جانتا ہوں جو دعائیں قبول کرتا ہے۔

کیا ہی بہترین حسنِ ظن ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک بدو نے پوچھا کہ حساب کون لے گا؟

آپ نے فرمایا کہ ”اللہ“

رب کعبہ کی قسم پھر تو ہم نجات پا گئے، بدو نے خوشی سے کہا۔

کیا ہی بہترین حسنِ ظن ہے اپنے رب سے۔

ایک نوجوان کا آخری وقت آیا تو اس کی ماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نوجوان نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر سوال کیا کہ امی جان اگر میرا حساب آپ کے حوالے کر دیا جائے تو آپ میرے ساتھ کیا کریں گی؟

ماں نے کہا کہ میں تجھ پر رحم کرتے ہوئے معاف کر دوں گی۔

اماں جان اللہ پاک آپ سے بڑھ کر رحیم ہے پھر اس کے پاس بھیجتے ہوئے یہ رونا کیسا؟

کیا ہی بہترین گمان ہے اپنے رب کے بارے میں۔

اللہ پاک نے حشر کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا ہے، ”اور اس دن آوازیں دب جائیں گی رحمان کے سامنے“۔ بلکہ اس حشر کی گھڑی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ ”جبار“ کے سامنے بلکہ اپنی صفتِ رحمت کا آسرا دیا ہے۔

یا اللہ ہمیں دنیا و آخرت میں ہمیشہ اپنے فضل و کرم کے سائے میں رکھنا اور ہمارا انجام بخیر فرمانا۔ آمین

❀❀❀

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصائب پر صبر اور دشمن سے عفو کا سلوک

تحریر: طاہرہ زرتشت ناروے

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے اخلاص اور وَفا کو آزمانے کے لئے خوف، بھوک مصیبت سے اور کبھی جان و مال کی قُربانی لے کر ان کا امتحان کرتا ہے۔ جو لوگ اس امتحان میں پورے اُترتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتا ہے اور اُنہیں اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازتا ہے۔

ہمارے پیارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی میں بہت ابتلاء اور مصائب آئے لیکن ہر ابتلاء کے موقع پر آپ نے کمال صبر کا نمونہ دِکھایا جس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا یارسول للہ:- سب سے زیادہ ابتلاء کن لوگوں پر آتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:- ”نبیوں پر۔۔۔ پھر اُن پر جو اُن کے قریب ہوں۔ پھر اُن سے قریب تر لوگوں پر“

ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صل اللہ وعلیہ وسلم نبیوں کے سردار تھے۔ آپ کا بہت بڑا مقام تھا۔ اس مناسبت سے آپ پر بہت بڑے بڑے ابتلاء اور مصائب آئے۔ بڑے دُکھ دیے گئے۔ لیکن ہر موقع پر آپ نے صبر کا اعلیٰ نمونہ دِکھایا۔

آپ فرماتے تھے کہ مومن کے لئے تو دنیا میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اور سوائے مومن کے یہ مقام کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اُسے کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ خُدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعام کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے۔ (مسلم)

ہمارے پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ساری زندگی ناقابلِ بیان مظالم ہوتے رہے۔ لیکن ان مظالم پر آپ نے کبھی ردِّ عمل نہیں دِکھایا۔ بلکہ صبر کیا اور ہمیشہ صبر کا نمونہ ہی دکھایا۔

ایک دفعہ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں عبادت کررہے تھے۔ کہ آپ کی گردن میں پٹکا ڈال کر لوگوں نے کھینچنا شروع کردیا تاکہ دم گھٹ جائے۔ آپ کی آنکھیں باہر نکل آئیں اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں آگئے اُنہوں نے یہ کہتے ہوئے آپ کو اُن لوگوں سے چھڑایا کہ اے لوگو: کیا تُم ایک آدمی کو اس جُرم میں قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ خُدا میرا آقا ہے۔

ایک دفعہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کی پیٹھ پر اُونٹ کی اوجری لاکر رکھ دی گئی اُس کے بوجھ کی وجہ سے آپ سر نہ اُٹھا سکے۔

ایک دفعہ آپ بازار سے گذر رہے تھے تو مکّہ کے اوباش لوگوں کا ایک گروپ آپ کے پیچھے ہولیا سارا راستہ آپ کو ستاتے رہے۔ اور کہتے گئے کہ لوگو! یہ وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔

آپ کے گھر پر پتھر پھینکے جاتے تھے۔ باورچی خانے میں گندی چیزیں پھینکی جاتی تھیں ایک دن خانہ کعبہ کے قریب صفا پہاڑی پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آپ کا سب سے بڑا دُشمن اور مکہ کا سردار ابوجہل وہاں سے گُزرا اُس نے آپ کو گالیاں دیں آپ اُس کی گالیاں سُنتے رہے لیکن کوئی جواب نہ دِیا۔ اور صبر کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

کُفّارِ مکّہ نے باہم مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سارے خاندان کا سوشل بائیکاٹ کر دِیا جائے اور اُنہیں ایک جگہ محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک معاہدہ لکھا گیا کہ کوئی شخص آنحضور کے خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب سے رشتہ نہیں کرے گا۔

نہ اُن کے پاس کوئی چیز فروخت کرے گا اور نہ ہی اُن سے کچھ خریدے گا اور نہ ہی اُن تک کوئی کھانے پینے کی چیز جانے دیگا۔ اور نہ اُن سے کسی قسم کا تعلق رکھے گا۔ اس معاہدہ پر بڑے بڑے سرداروں کے دستخط ہوئے۔ اور پھر اُسے خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ آویزاں کر دیا گیا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، آپ کے سارے خاندان کو ایک گھاٹی شعب ِابی طالب میں قید کر دیا گیا۔ وہاں جو مصائب اور سختیاں آپ کو، آپ کے ماننے والوں اور آپ کے خاندان کو برداشت کرنا پڑیں اُن کا حال پڑھ کر آج بھی بدن لرز اُٹھتا ہے بعض اوقات جانوروں کی طرح جنگلی درختوں کے پتے کھا کھا کر گُزارا کیا جاتا تھا۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کے وقت اُن کا پاؤں کسی ایسی چیز پر جا پڑا جو تر اور نرم معلوم ہوتی تھی۔ اُس وقت بھوک کا یہ عالم تھا کہ دیکھے بغیر وہ چیز اُٹھا کر فوراً مُنہ میں ڈال لی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آج تک معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی۔ ایک دفعہ ایک صحابی کو ایک سوکھا ہوا چمڑا زمین پر پڑا ہوا مل گیا تو اُسی کو اُنہوں نے پانی میں نرم اور صاف کیا اور پھر بُھون کر کھاتے رہے۔ بچوں کی یہ حالت تھی کہ بھوک کی وجہ سے اُن کے رونے اور چلّانے کی آوازیں وادی سے باہر جاتی تھیں تو کُفّارِ مکّہ خوش ہوتے تھے۔ اسی طرح برابر تین سال تک یہ بائیکاٹ اور قید جاری رہی۔ حضرت خدیجہ اور حضرت ابو طالب شعب ِابی طالب کے ظُلموں کو سہتے سہتے اس دُنیائے فانی سے رُخصت فرما گئے۔ اس ظلم و بربریت پر بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی

صبر وَ استقلال کا نمونہ پیش کیا۔

طائف کا واقعہ بہت مشہور واقعہ ہے جب طائف کے لوگوں نے آپ کی بات سُننے سے انکار کر دِیا تو شہر کے آوارہ اور بدمعاش لوگ آپ کے پیچھے لگا دیئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکلے تو یہ لوگ شور کرتے ہوئے آپ کے پیچھے ہو لئے۔ اور آپ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے جس سے آپ کا سارا بدن لَہو لہان ہو گیا۔ برابر تین میل تک یہ بدبخت لوگ پتھر برساتے چلے گئے۔ اُس وقت آپ پر فرشتہ ظاہر ہوا اور اُس نے کہا کہ مجھے خُدا نے آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ اگر آپ اِرشاد فرمائیں تو میں یہ دونوں پہاڑ ان پر پیوست کر کے ان کا خاتمہ کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کا یہ حال تھا کہ اس قدر تکلیف اور دُکھ دیئے جانے پر بھی آپ نے یہ نَہیں فرمایا کہ ہاں: ان کو ضرور سزا دو بلکہ یہ فرمایا کہ :- ”نَہیں! نَہیں! مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں وہ لوگ پیدا کر دے گا جو خدائے واحد کی پرستش کریں گے“

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رَضی اللہ عنھا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپکو کبھی جنگِ اُحد والے دن سے بھی زیادہ تکلیف پہنچی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- ”عائشہ مجھے بڑی بڑی سخت گھڑیاں دیکھنی پڑی ہیں اور پھر آپ نے سفر طائف کے حالات سُنائے“

ظالموں کے ظُلم سے تنگ آ کر ایک دفعہ ایک صحابی نے آنحضور صلی اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور ہمیں ان ظالموں سے مقابلہ کی اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا! اِنّی

اُمِرتُ بالعَفوِ فَلا تُقَاتِلُو

”مجھے ابھی تک عُفو اور صبر کا حکم ہے۔ اس لئے میں تمہیں لڑنے کی اجازت نَہیں دے سکتا“ چنانچہ آپ کے ماننے والوں نے بڑے بڑے ظلم برداشت کئے آپ کی ذات کو بھی انتہائی تکلیف میں ڈالا گیا لیکن آپ نے خود بھی صبر کیا اور اپنے صحابہ کو بھی صبر کی تلقین کی۔

آنحُضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کُفّار کے مظالم سے تنگ آ کر اپنے وطن کو چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ آپ کے قتل کے لئے منصُوبہ تیار کیا گیا اور اس منصوبہ میں سارے قبائل شریک تھے۔ ہر قبیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خون سے اپنے ناپاک ہاتھ رنگنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

جب مکّہ والوں کو معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے ظالم ہاتھوں سے بچ کر نکل گئے ہیں تو اُنہوں نے ایک فوجی دستہ لے کر آپ کا تعاقب کیا اور کھوج لگاتے ہوئے اُس پہاڑ تک پہنچ گئے جہاں آپ چُھپے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچ کر اُنہوں نے کہا کہ اس جگہ تو کثرت سے سانپ بچھو رہتے ہیں۔ یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے پناہ لے سکتے ہیں۔ کُفّارِ مکّہ نے اعلانِ عام کیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لائے گا اُسے ایک سو اُونٹ انعام دیئے جائیں گے یہ انعام اُس وقت کے لحاظ سے کئی لاکھ کرونر کے برابر تھا۔ چنانچہ ایک شخص سُراقہ اس انعام کے لالچ میں روانہ ہوا۔ جب اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کی سواری دیکھی تو اُس نے اپنا گھوڑا اُن کے پیچھے دوڑا دِیا۔ مگر راستہ میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سُراقہ گر گیا۔ اُس نے سمجھ لیا کہ یہ شخص خُدا کا سچّا رسول ہے۔ اُسے یقین ہو گیا کہ یہ ایک نہ ایک دن ضرور غالب آئیں گے چُنانچہ اُس نے درخواست کی کہ مجھے امن کا پروانہ لکھ دیں یہ پروانہ اُسے لکھ کر دے دِیا گیا حالانکہ وہ جانی دُشمن تھا۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و تحمل سے کام لیا اور اُس سے کہا:- اے سُراقہ اُس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ پیش گوئی پھر حضرت عمر رَضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں پوری ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت پیارے چچا حضرت حمزہ رَضی اللہ عنہ جو مکّہ میں مصائب کے زمانہ میں آپ کی پناہ بنے تھے جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے۔ کُفّار نے اُن کی نعش کا مُثلہ کیا کان ناک کاٹے گئے۔ کلیجہ نکال کر چبایا گیا اور نعش کی بے حُرمتی کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کی نعش پر تشریف لائے تو یہ حالت دَیکھ کر آپ کو بے حد تکلیف ہوئی۔ اسی جنگ میں ستّر صحابہ شہید ہوئے لیکن اسقدر دُکھ تکلیف اور غم میں بھی آپ نے صبر کے دامن کو نَہیں چھوڑا۔

حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کی نرینہ اولاد قاسم، طاہر اور طیب کم سنی میں ہی فوت ہو گئے آپ نے اس صدمہ پر صبر کیا۔

آپ کی آخری عمر کی اولاد ابراھیم آپ کو بہت پیارے تھے آپ ابراھیم کو اُٹھا کر سینے سے لگاتے اور اُس سے پیَار کرتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر فرمایا تھا۔ کہ اگر ابراھیم زندہ رہتے تو وہ ضرور سچے نبی ہوتے۔ اس پیارے بچے کی وفات پر آپ نے کمال صبر کا نمونہ دِکھایا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر یہ کہتے ہوئے سر جھکا دِیا کہ :- ”آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دِل غمگین ہے مگر ہم اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کلمہ زبان پر نہ لائیں گے۔ اے ابراھیم تیری جدائی پر ہم سخت غمگین ہیں“ (بخاری)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر گئے مکّہ والوں نے جنگیں بھی کیں لیکن ناکامی ہوئی تو اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔ ایک نوجوان کو تیار کیا جو چُھپتا چُھپاتا مدینہ پہنچ گیا۔ اُن دنوں نئے نئے لوگ مدینہ آتے رہتے تھے۔ اس لئے کسی کو اس پر شک نہ ہوا۔ مگر جُونہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کو اپنی طرف آتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص کسی بری نِیّت سے یہاں آیا ہے۔

ایک صحابی نے اُسے پکڑ لیا اور اُن کا ہاتھ اُس خنجر پر جا پڑا جو وہ قتل کے ارادہ سے چھپا کر لایا تھا۔ جب اُسے مغلوب کر لیا گیا تو اُس نے ساری سازش سچ سچ بتلا دی۔ آپ نے ایسے خطرناک جانی دُشمن کو بھی معاف کر دیا اور انتہائی صبر سے کام لیا۔

جنگِ خندق کے بعد ایک یہودی عورت نے بکری کا بُھنا ہوا گوشت زہر ملا کر پیش کیا۔ حضور دستی کا گوشت کھانے لگے اور دیگر صحابہ نے بھی کھایا۔ اچانک رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے سے ہاتھ روک لو۔ پھر حضور نے اُس یہودی عورت کو بُلایا اور فرمایا کہ کیا تُم نے اس کھانے میں زہر مِلایا تھا اُس نے کہا "ہاں"

حضور کے ایک صحابی اس زہر کے اثر سے فوت ہو گئے خود رسول للہ صلی علیہ وسلم پر بھی آخری بیماری میں اس زہر کا اثر تھا۔ اس یہودی عورت کی اس قاتلانہ حرکت پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اُس سے نرمی اور عفو کا معاملہ کیا۔ اگر کوئی اور حاکم ہوتا تو اُسے اس حرکت پر کڑی سزا دیتا۔

ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ہمارے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے سایہ میں آرام کر رہے تھے ایک بدبخت دُشمن نے آپ کو اکیلے دیکھ کر آپ پر تلوار اُٹھائی آپ سے پوچھا کہ اے محمد اب کون آپ کو مجھ سے بچا سکتا ہے۔ آپ لیٹے ہوئے تھے حرکت بھی نہ کر سکتے تھے عین ممکن تھا کہ وہ آپ پر تلوار سے وار کر دیتا۔ لیکن آپ نے جواب دِیا:- "اللہ"

اس پر اُس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور آپ اُٹھ کھڑے ہوئے وہی تلوار آپ نے پکڑ لی۔ اور وہ آپ کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا تھا اگر آپ چاہتے تو اُسے کڑی سے کڑی سزا دے سکتے تھے۔ لیکن آپ نے اُس کی اس خطرناک حرکت پر نہائت صبر کا مظاہرہ کیا اور اُس کی جان لینے کی بجائے جاں بخشی کی۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ بیماری کی تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنھا نے بے تاب ہو کر کہا:- آہ! مجھ سے اپنے باپ کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ نے سُنا تو "فرمایا صبر کرو"

آج کی اس مہذب دُنیا میں کون ہے جو صبر کا ایسا عالیشان نمونہ پیش کر سکے جو ہمارے پیارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔ آج بھی اگر دُنیا آپ کے نقشِ قدم پر چلے تو دُنیا جس تباہی کی طرف جا رہی ہے اس کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ اور دُنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آج بھی معاشرے میں بہت سارے فساد کی وجوہات میں سے ایک وجہ صبر اور عفو کا فقدان بھی ہے۔

❁❁❁

آبگینے انٹرنیشنل آن لائن مشاعرہ

عباسی اکیڈمی لندن کے زیرِ اہتمام عید الفطر کے بعد پہلے انٹرنیشنل مشاعرے کا انعقاد کیا جا رہا ہے جس میں دنیا بھر سے معروف شاعرات کو مدعو کیا جائے گا۔ اس مشاعرے میں بطورِ مہمانِ خصوصی محترمہ امتہ الباری ناصر صاحبہ حال امریکہ کو دعوت دی جا رہی ہے۔ عید کی مناسبت سے دعائیہ اور مزاحیہ شاعری پڑھی جا سکتی ہے۔ جو شاعرات اپنا کلام پڑھنا چاہتی ہیں وہ ہم سے درج ذیل نمبرز پر رابطہ کر سکتی ہیں۔

شاعرات کا انتخاب وقت کی مناسبت سے ادارہ آبگینے کے سپرد ہو گا۔ تمام باذوق خواتین کو اپنے ذوق کی تسکین کے لئے اس مشاعرے میں شرکت کی عام دعوت دی جاتی ہے۔ آیئے اس مشاعرے میں شامل ہو کر شاعرات کے خوبصورت کلام سے محظوظ ہوں اور اس پروگرام کو کامیاب بنائیں۔

جو شاعرات اس مشاعرے میں اپنا کلام پڑھنا چاہتی ہیں وہ مشاعرہ انتظامیہ کو پہلے اپنا نام اندراج کروائیں۔

مشاعرہ بتاریخ 22 مئی 2021 یورپ ٹائم کے مطابق تین بجے شروع ہو گا

نظامت مشاعرہ (مدثرہ عباسی، حمیرا نگہت)

رابطہ نمبرز: مدثرہ عباسی مدیرہ آبگینے (+447984619519)

حمیرا نگہت (+491607715341)

حمیرا نگہت - انچارج گوشۂ ادب آبگینے میگزین

کرب

طاہرہ زرتشت ناز

چہرے پہ گلابوں کے
کچھ اوس کے قطرے ہیں
خورشید کے ماتھے پر
کچھ کرب کے بادل ہیں
دریا کے کناروں سے
اک موج ابھرتی ہے
ٹکراتی ہے سر اپنا
روتی ہے سسکتی ہے
اک سوز بھرا نغمہ
کوئل کہیں گاتی ہے

❁❁❁

کنیز بتول نجمہ کے قبول احمدیت کا واقعہ

خود نوشت

میرا نام کنیز بتول نجمہ ہے میں ایک نومبائعہ ہوں میں آج آپ کو بتانا چاہوں گی کہ میں شیعہ سے احمدی کیسے ہوئی۔ میرا تعلق ایک بڑے مذہبی قسم کے شیعہ گھرانے سے ہے۔ والد بچپن میں وفات پا گئے تھے۔ اس لئے نانا کی گود میں پرورش پائی جو ایک بہت مشہور ذاکر کے بڑے بھائی تھے۔ انہی کی صحبت کا اثر تھا کہ میں بھی ذاکرہ تھی۔

آج سے تقریباً" گیارہ سال پہلے میں نے خواب دیکھا کہ رات کا وقت ہے، آسمان کے نیچے ایک بہت بڑی عمارت ہے۔ دنیا میں اور کچھ نہیں بس وہی ایک عمارت ہے، اس عمارت کے اوپر بہت بڑی رحل کے اوپر قرآن مجید رکھا ہوا ہے۔ یکدم آندھی آجاتی ہے۔ میں، جو اس عمارت کے نیچے کھڑی ہوتی ہوں، دیکھتی ہوں کہ آندھی کی وجہ سے قرآن مجید کے ورق اڑنے لگتے ہیں۔ ان سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے لوہے کی کھڑکیاں ایک دوسرے سے بجتی ہیں تو آواز آتی ہے۔ جب نیچے کھڑی میں قرآن کو اس طرح دیکھتی ہوں تو مضطرب ہو کر دعا کرتی ہوں کہ

یا اللہ! اب میرے امام کو بھیج دے۔ اس خواب کے کچھ عرصے کے بعد میری بہن (ایک ہی میری بہن ہے جو مجھ سے چھوٹی ہے) ایک احمدی انکل جو ان کے پڑوسی تھے، ان کی تبلیغ کی وجہ سے احمدی ہوگئی۔ جب اس کے شوہر نے مجھے آکر بتایا تو وہ رونے لگا اور میں بھی۔ میں نے کہا کہ کاش میری بہن مر جاتی مگر احمدی نہ ہوتی۔ میرے اس سے بہت جھگڑے ہوئے لیکن وہ ڈٹی رہی۔ آخر تین سال پہلے اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی اور وہ ربوہ شفٹ ہوگئی۔ اس کے شوہر نے بچے بھی چھین لئے، دوسری شادی کر لی۔

جب وہ ربوہ شفٹ ہوئی تو میں نے کہا کہ میری بہن آپ ربوہ میں نہ رہو۔ اگر تم وہاں مر بھی جاؤ گی تو میں ربوہ نہیں آؤں گی۔ لیکن جب 2020 میں کرونا آیا تو میں رو رو کے دعائیں کرنے لگی کہ "یا اللہ! اب آخری وقت آ گیا ہے اب ہمارے امامؑ کو بھیج دے۔

رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو میں دن رات نمازیں پڑھنے لگی اور ایک ہی دعا مانگتی کہ یا اللہ! امام کو بھیج دے۔ مجھے اور میرے بچوں کو امام کا سپاہی بنا۔ حالانکہ پہلے کبھی کبھار نماز پڑھتی تھی۔ لیکن اب نماز اور اس دعا کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔

اچانک مجھے ایسا ضروری کام آ پڑا جس کی وجہ سے میرا بہن سے ملنا بہت ضروری تھا میں نے بہن کو فون کیا کہ تم ہمارے گاؤں خوشاب آجاؤ میں اسلام آباد سے آجاتی ہوں۔ اس نے کہا کہ آپا اسلام آباد سے آپ کے آنے تک دفتر بند ہو جائیں گے۔ آپ ربوہ آجائیں۔ رات یہاں رکیں صبح مل کر آگے چلے جائیں گے۔ مجبوراً مجھے ربوہ آنا پڑا۔ میرا بڑا بیٹا اور بیٹی اور سب سے چھوٹا بیٹا ساتھ تھے اور دو بیٹے اسلام آباد میں اپنے ابو کے پاس تھے۔ جب ہم لوگ ربوہ پہنچے تو اگلی صبح میری ہدایت کے لئے میرے پاک اللہ نے لاک ڈاؤن کروا دیا۔ بس پھر کیا تھا؟ مجبور ہو کے بہن کے گھر رہنے لگے اس کے گھر ایم ٹی اے لگا ہوا تھا۔ وہ صبح تلاوت قرآن مجید لگاتی اور پھر خلیفہ رابعؒ کی مجلس عرفان۔ یقین جانئے مجھے ایسا لگتا کہ قرآن ابھی نازل ہوا ہے اور میں پہلی دفعہ قرآن سن رہی ہوں۔ حلانکہ میں خود ذاکرہ تھی اور مجالس میں مَیں خود قرآن پڑھ کر اس کی تفسیر کیا کرتی تھی۔ چار پانچ روز یہ کلاسیں سنیں۔

میری بہن کے پاس میرے جانے سے پہلے اس کے شوہر کو خدا تعالیٰ نے ایسا ذلیل کیا کہ وہ خود اسکے بچوں کو ربوہ چھوڑ کر گیا۔ میں سوچنے لگی کہ میرا بہنوئی تو کہتا تھا کہ بچوں کا بال بھی اس مرزائی عورت کو نہیں دوں گا۔ میری بہن نے کیس کیا تھا مگر عدالت نے فیصلہ میری بہن کے خلاف دیا تھا۔ خدا نے اسے ایسا مجبور کیا کہ وہ خود بچے میری بہن کو دے گیا۔ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اگر تم مؤمن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ مجھے لگنے لگا کہ میری بہن واقعی حق پر ہے۔ ورنہ اس کی جیت نہ ہوتی۔

جماعت کی طرف سے اس کا راشن لگا ہوا تھا۔ ایک دن گاڑی آئی اور اس کے گھر راشن پہنچایا گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ کام حضرت علیؓ کیا کرتے تھے۔ یہ تو ان کے کام تھے۔ آج کے زمانے میں لوگ اگر کسی کو کچھ دیتے ہیں تو اپنی مشہوری کرتے ہیں، تصویریں بناتے ہیں، اخباروں میں دیتے ہیں۔ لیکن یہاں ایسا کچھ نہ تھا پھر میری بہن کے گھر حضرت مسیح موعودؑ کی کچھ کتابیں تھیں۔ جب میں نے کشتی نوح میں حضورؑ کی تعلیم پڑھی تو میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ یہ تو وہی تعلیم ہے جو حضرت محمد ﷺ کی تعلیم ہے اور یہی آپؐ کے اہل بیت کی بھی تعلیم ہے۔

کچھ دنوں کے لئے لاک ڈاؤن کھل گیا ہم نے سوچا کہ صبح چلے جائیں گے۔ اس دن جو خلیفہ رابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی کلاس دیکھی تو آخر میں انہوں نے خدا حافظ کرتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ مجھے یہ دیکھ کر دل پر قابو نہ رہا۔ میں بہن کو علیحدہ بلا کر رونے لگی۔ اس نے پوچھا کیوں رو رہی ہیں؟ تو میں نے کہا کہ بس مرزا طاہر احمد صاحب کی جدائی کی وجہ سے رو رہی ہوں۔ گھر جاؤں گی تو پھر کبھی انہیں دیکھ نہیں سکوں گی۔ اس نے کہا پریشان نہ ہوں اللہ فضل کرے گا۔ میں نے کہا مجھے یقین ہو گیا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ سچے ہیں اور وہی امام مہدیؑ جن کا انتظار کرتے ہوئے میری نسلیں گزر گئیں۔ میری بہن آپ میرے بچوں کو تبلیغ کرو۔ شیعوں کے لئے صلیب ہے یا علی مدد۔ ان سے شرک کے موضوع پر بات کرو تا کہ وہ جان لیں کہ ہم قرآن کی تعلیم کے خلاف عقائد رکھتے ہیں۔ اس طرح امام مہدی کو پہچاننا ان کے لئے آسان ہو جائے گا۔

جب میری بہن نے میرے بڑے بیٹے اور بیٹی سے بات کی اور میں نے بھی اس کی تائید کی تو میری بیٹی کو شک ہو گیا کہ میں احمدی ہو رہی ہوں۔ وہ کہتے ہیں نا کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا۔ ساری رات قرآن لے کے بیٹھے رہے۔ بحث جاری رہی میری بیٹی کی آنکھیں

غصہ سے لال سرخ ہوگئیں۔صبح ہوتے ہی میری بیٹی اور بیٹا مجھے اور میرے چھوٹے بیٹے کو چھوڑ کر اسلام آباد چلے گئے اور جاکے اپنے باپ کو بتایا کہ ماما احمدی ہوگئی ہیں۔بس پھر کیا تھا میری ممانی کو پتہ چلا تو انہوں نے ہر جگہ بتادیا۔جہاں جہاں میں محرم کے عشرے پڑھتی تھی ان سب کے فون آنے لگے کہ آپ ذاکرہ ہیں آپ ایسا کرسکتی ہیں؟ میں کہتی تھی کہ یہ اب آپ لوگوں کے سوچنے کی بات ہے کہ میں آخر کیوں احمدی ہوئی ہوں؟میرے شوہر کے فون آنے لگے۔میں فون پہ ان کو تبلیغ کرنے لگی۔بچوں سے بھی فون پر دن رات تبلیغ ہونے لگی۔بہت جھگڑے ہوتے لیکن میں اللہ کے فضل سے ڈٹی ہوئی تھی۔

میں نے بچوں سے کہا کہ اب چاہے آپ لوگ مجھے ملو نہ ملو میں حق کو نہیں چھوڑ سکتی۔جب میرے شوہر نے یہ دیکھا کہ میں کسی طرح نہیں مان رہی تو انہوں نے کہا کہ میں نے قرآن کو ترجمے کے ساتھ پڑھا ہے اور غور کیا ہے تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ مرزا صاحب سچے ہیں میری بہن اور میں بہت خوش ہوئیں اور سجدے میں گر کر شکر ادا کیا۔ہم نے ان سے کہا کہ حضورؑ کو سلام پہنچائیں۔انھوں نے سلام پہنچایا اور ہم سے کہا کہ تم لوگ آؤ اور آکے بچوں کو سمجھاؤ۔ہم بڑے خوش تھے۔اسلام آباد جانے کی تیاری کرنے لگے۔صدر صاحب محلہ سے اجازت مانگی تو انھوں نے اجازت نہ دی۔پھر بیٹھ گئے اس دوران میرے بیٹا جو چودہ سال کا ہے اس کا کسی کے نمبر سے فون آیا کہ ماما پاپا آپ کے خلاف پلان کر رہے ہیں آپ نہ آنا۔میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔میں نے کہا کہ تم ماموں کے گھر (جو میرا کزن ہے) جاؤ۔وہ آپ کو گاڑی پہ بٹھا دے گا۔بچہ جب رشتہ داروں کے گھر گیا تو انہوں نے اس سے سب کچھ پوچھ کے اس کے باپ کو بلا کر اس کے حوالے کردیا اور مل کر بچے کو دو دو کوب کیا اور مارتے رہے کہ خبردار اگر ماں کے پاس گئے۔لیکن میرے شوہر فون پر مجھے یہی کہتے رہے کہ میں بھی احمدیت قبول کر چکا ہوں۔بچوں کو بتا نہیں سکتا آپ آؤ ان کو سمجھاؤ پھر ہم سب مل کر بیعت کریں گے۔میں جو نماز بھی کبھی کبھی پڑھتی تھی تہجد گزار ہوگئی تھی۔تہجد پڑھ کر میں ہر روز جانے کے لئے قرآن سے استخارہ کرتی تو منع ہو جاتا۔میں نے بہن سے کہا کہ کب میری بیعت ہوگی اور کس طرح ہوتی ہے بیعت۔اسنے موبائل فون پر سالانہ جلسہ پر حضور جو بیعت لیتے ہیں وہ دکھائی۔ میں رو رہی تھی اور وہ لفظ دہراتی جاتی جو حضورِ انور بول رہے تھے۔

اسی رات میں نے جانے کے لئے تہجد کے وقت استخارہ کیا تو جواب ملا کہ جاؤ اب وہ تمہیں ہرگز مشرک نہیں بنا سکیں گے۔حالانکہ پہلے ہمیشہ یہ جواب آتا تھا کہ ”نہ جانا! وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں گے۔وہ چاہتے ہیں کہ تم مشرک ہو جاؤ۔“

جب اللہ کی طرف سے اجازت مل گئی تو میں نے پھر صدر صاحب سے پوچھا کہ ہم چلے جائیں تو انہوں نے کہا میں چھوٹی بہن کو اجازت نہیں دے سکتا لیکن اگر آپ جانا چاہیں تو آپ کو منع نہیں کروں گا۔آپ کا گھر ہے،آپ کے بچے ہیں۔میں نے کہا ”صدر صاحب بچوں کی فکر نہیں ہے بلکہ اس لئے اپنے گھر جانا چاہتی ہوں کہ اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤں،انہیں شرک سے روکوں،انہیں بتاؤں کہ امام مہدیؑ آگئے ہیں۔“

انہوں نے اجازت دے دی تو میں نے گھر فون کیا اور اگلے دن میرا بیٹا مجھے لینے آ گیا اور میں اسلام آباد پہنچ گئی۔میرے شوہر بڑے اچھے طریقہ سے پیش آئے۔لیکن ایک بچے کے سوا کسی نے مجھ سے بات تک نہ کی۔جب میں نے بیٹی اور بڑے بیٹے سے بات کی تو انہوں وہ بدتمیزی کی کہ جو آج تک کبھی نہ کی تھی۔حالانکہ میری بیٹی جسکی عمر اٹھارہ سال تھی اتنی نیک نماز کے سجدوں میں روتی تھی اور ہر رات میرے پاؤں دبائے بغیر کبھی نہ سوتی۔لیکن اس معاملہ میں تو اس کی آنکھوں میں بھی خون اترا ہوا تھا۔میں اس بات پر مطمئن تھی کہ میرے شوہر میرے ساتھ ہیں۔

نماز کا وقت ہوا۔میرا چھوٹا بیٹا جو دس سال کا تھا کہنے لگا کہ آپ ایسے کیوں نماز پڑھ رہی ہیں ہاتھ کھول کر نماز پڑھیں۔میں نے بتایا کہ بیٹا امام مہدی آگئے ہیں انہوں نے بتایا ہے کہ ایسے نماز پڑھتے ہیں۔وہ بڑا پر جوش ہوا،”کہاں آئے ہیں“؟۔

کیوں کہ میں ہمیشہ بچوں کو سلاتے ہوئے امام مہدی کی باتیں سنایا کرتی تھی۔ہر روز کہہ کے سلاتی تھی کہ آپ لوگوں نے امام مہدیؑ کا سپاہی بننا ہے۔اس لئے وہ خوش ہوگیا اور پوچھنے لگا کہ کب جائیں گے امام کے پاس؟میں نے پیار کیا اور کہا انشاءاللہ جلدی جائیں گے۔میرے شوہر دیکھ رہے تھے۔گھر میں اہل تشیع کا ترجمے والا قرآن مجید تھا،وہ میں پڑھنے لگی میرے شوہر نے مجھے کہا کہ میں بچوں کے سامنے ظاہر نہیں کروں گا کہ میں امام مہدی کو مان گیا ہوں۔میں نے کہا کوئی بات نہیں۔جب میں قرآن پڑھنے لگی تو میری بیٹی اور شوہر میرے پاس آئے اور بحث کرنے لگے۔میری بیٹی کہتی ہے جب سے آپ ہوئی ہیں میں نے دو دفعہ قرآن ترجمہ کے ساتھ پڑھ لیا ہے آپ ثابت کریں کہ کہاں لکھا ہے کہ احمدیت سچی ہے؟مجھے پتہ تھا کہ شرک ان کے مذہب کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔میں نے کہا تین باتیں ہیں ہمارے پاس توحید،نبوت اور مہدویت۔پہلے توحید پہ بات کرتے ہیں۔

پھر میں نے ایک ایک آیت توحید پر نکال کر ان کو دکھائی۔جب میں اس آیت پر پہنچی کہ ”جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ بروزِ قیامت تم سے پیٹھ پھیر کر چل پڑیں گے“میں کہا کہ یہ بتوں کی بات نہیں ہو رہی بت نہ چلتے ہیں نہ پیٹھ پھیرتے ہیں۔یہ سن کر میرے بچے سوچ میں پڑ گئے۔پھر نبوت کے بارے میں بات کی کہ دیکھو اللہ پاک فرماتا ہے ”اے رسول اگر تم جھوٹے ہوتے تو ہم تمہارا داہنا ہاتھ پکڑ کر تمہاری شہ رگ کاٹ دیتے“ میں کہا یہ جھوٹے اور سچے کی پہچان ہے کہ جھوٹا ذلیل ہوگا سچا ہمیشہ غالب رہے گا۔

رات اسی بحث میں گزر گئی صبح کی نماز کے بعد تھوڑی دیر سو گئے دس بجے کے قریب جب سب اٹھ گئے میں پھر قرآن پڑھنے لگی۔جیسے ہی میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا،سب میرے پاس آ گئے اور بحث پھر سے شروع ہوگئی بچے اب دھیمے پڑ چکے تھے۔ میں نے کہا کہ امام مہدی رسول ہوں گے،قرآن سے دیکھاتی ہوں۔وہ آیت نکالی کہ ”ہم نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایت اور سچے دین کے ساتھ تاکہ تمام ادیان پر اس کو غالب کریں“شیعہ کی تفسیر تھی اس میں لکھا تھا کہ یہ آیت امام مہدیؑ کے بارے میں ہے کیونکہ انہیں کے زمانے میں دین نے غالب آنا ہے۔

اب ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے انٹرنیٹ سے خلیفہ رابعؒ کی ضیاء الحق کے بارے میں پیشگوئی نکالی اور ان کو دکھائی۔ میں کہا یہ دیکھو سچے کی پیشگوئی اور جھوٹے کا انجام۔میرا تیرہ سال کا بیٹا کہنے لگا ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی جھوٹا بات کرے اور اس کی بات اتنی سچ ثابت ہو۔میں نے دیکھا کہ میرے شوہر کے چہرے کے رنگ بدل رہے ہیں۔

خلیفہ رابع کی دوسری وڈیو جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ تکبیر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اگر میرے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں تو میرے زرّے زرّے سے آواز آئے گی کہ فزت برب کعبہ۔ میں نے کہا یہ دیکھیں یہ جملہ رسول اللہ کے چوتھے خلیفہ نے کہا تھا۔ وہی جملہ امام مہدی کا چوتھا خلیفہ کہہ رہا ہے۔ یہ وہی ہیں ان ہی کے بروز ہیں۔ ان کو مت جھٹلاؤ۔ میں نے دیکھا کہ میرے سارے بچوں کی آنکھوں میں آنسو ہیں، محبت کے، عقیدت کے۔ میں نے بہن کو ربوہ فون کیا کہ آتے وقت صدر صاحبہ اور آپ لوگوں کو کہا تھا کہ دعا کرنا میں مہدیؑ کی سپاہی بن کر جارہی ہوں۔ اب خوش خبری سنو میں ان شاءاللہ فتح کے بالکل قریب ہوں۔ میں یہ سمجھ رہی تھی کہ میرے شوہر دل سے احمدی ہیں اس لئے فون ان کے سامنے ہی کر رہی تھی۔ لیکن جب میرے شوہر نے یہ سنا تو انتہائی غصہ میں آگئے اور گالیاں دینے لگے میری بیٹی ڈر کر کچن میں چلی گئی ناشتہ بنانے۔ میرے شوہر فون کر کے وہاں جو شاہ رہتے تھے ان کو ساری باتیں سنا رہے تھے جس کا مجھے پتہ نہیں تھا۔ اتنی دیر میں دروازے پہ دستک ہوئی۔ میرے شوہر باہر گئے۔ میں کچن میں گئی تو بیٹی جلدی جلدی بتانے لگی کہ ماما، پاپا آپ سے جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ کوئی احمدی نہیں ہو رہے۔ میں نے کہا تم لوگ مان رہے ہو؟ بولی ”جی“۔

میری بیٹی نے مجھے ناشتہ دیا اور میرے شوہر آگئے اور کہنے لگے تم جلدی نکلو یہاں سے اور مجھے مارنے لگے۔ میرے بڑے بیٹے کے علاوہ جو بیس سال کا تھا سب بچے رونے لگے۔ میرا تیرہ سال کا بیٹا مجھ سے لپٹ گیا اور کہنے لگا ”پاپا نہ ماریں ماما کو“۔ میرا بڑا بیٹا اسکو مجھ سے چھڑا کر لے گیا اور کمرے میں بند کر کے اسے مارنے لگا۔ گھر میں قیامت بپا تھی۔ ایک طرف میرا بیٹا پٹ رہا تھا اور دوسری طرف میں اور اللہ کی ذات کے سوا ہمیں وہاں چھڑانے والا کوئی نہ تھا اور میں اسی کو پکار رہی تھی۔ اتنے میں میری بیٹی نے عقل سے کام لیا۔ میرے اور اپنے باپ کے درمیان آگئی اور مجھے غصے ہونے لگی کہ اس سے بہتر تھا آپ نہ آتیں۔ گھر میں فساد پڑ گیا ہے اور پھر باپ سے کہنے لگی کہ چھوڑیں آپ انہیں جانے دیں۔ جہاں مرضی جائیں۔

باہر کھڑے لوگ دروازہ زور زور سے بجا رہے تھے۔ کچھ تو اندر آگئے تھے کہ اس مرزائین کو آج ہم نے جانے نہیں دینا۔ ہم نے پولیس کو فون کر دیا ہے۔ وہ آتے ہی ہونگے۔ میرا شوہر کہنے لگا ”میں تو جانے دوں، لوگوں نے اسے اب نہیں جانے دینا“۔ میری بیٹی نے مجھے کچن میں بند کر دیا اور سر پہ چادر لی اور لوگوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے کہ انکل رسول کریم پر عورت کوڑا پھینکتی تھی پر نبی پاک اس کی عیادت کو گئے۔ امام زین العابدین کے پاس ان کے بھائی کا قاتل آیا انہوں نے سات دن ان کی مہمان نوازی کی۔ ہماری ماں ہیں، ہمیں سمجھانے دیں۔ اگر ہم سے نہ سمجھی تو آپ کو بتائیں گے۔ پھر جیسا آپ کہیں گے ویسا کر لیں گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم گھنٹے کا ٹائم دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے کلمہ نہ پڑھا تو ہم پولیس ساتھ لے کے آئیں گے۔

وہ چلے گئے۔ میرے شوہر گرجتے برستے بچوں سے پوچھنے لگے کہ کس کس نے ماں ساتھ جانا ہے۔ میرا تیرہ سال والا بیٹا پھر کہنے لگا، ”میں نے جانا ہے پاپا“۔ وہ بچے کو دھکے دینے لگے اور کہنے لگے کہ اٹھاؤ اپنے کپڑے اور دفع ہو جاؤ ماں کے ساتھ۔ میں نے ایک سوٹ اس کا اٹھایا اور برقعہ پہنا جب نکلنے لگے تو میرا شوہر پھر کھڑے ہو گئے اور بیٹے کو پکڑ لیا۔ اسے مارتے اور کہتے کہ میری لاش پر سے گزر کے ہی کوئی جائے گا یہاں سے۔ میں نے اپنے شوہر کو کہا ”بچوں کو مت ماریں، مجھے قتل کرنا ہے، کر دیں۔ قید کرنا ہے، کر دیں۔ مار مار کے ڈنڈوں سے میرا سر پھاڑ دیں۔ پولیس کے حوالے کر دیں۔ لیکن میں حق کو دیکھ چکی ہوں اب اسے چھوڑ نہیں سکتی“ اتنے میں پھر دروازے پہ دستک ہوئی۔ میرے شوہر باہر گئے۔ میری بیٹی نے کہا کہ آپ اپنی جان بچا کر یہاں سے نکلیں ہم پیچھے سے آجائیں گے۔ میں نے انہیں بہن کا فون نمبر لکھ کر دیا اور کہا کہ آج سے تیسرے دن میں تمہارے ٹیوشن سنٹر کے آگے ٹیکسی لے کے کھڑی ہوں گی تم لوگ اس دن اکیڈمی ضرور جانا۔ میں نے کہا کہ میں تمہیں اللہ کے حوالے کرتی ہوں۔ بچے رو رہے تھے اور میں بھی رو رہی تھی۔ شام ہونے والی تھی۔ میرے شوہر واپس آئے اور مجھے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا۔ میرا فون توڑ چکے تھے، پرس چھین لیا تھا۔ میرے پاس نہ پیسے تھے نہ فون۔ سارا سیکٹر جو پہلے میری بہت عزت کرتا تھا، ذاکرہ صاحبہ کہہ کر سلام کرتا تھا، آج دشمن بنا ہوا تھا۔ میں تیز قدمی سے چل رہی تھی کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ لیکن دل کی عجیب حالت تھی کیونکہ میں کامیاب ہو کر جارہی تھی۔ جو مار میں نے اور بچوں نے کھائی تھی اس کے بدلے میں مَیں نے بچوں کی آنکھوں میں احمدیت کی چمک دیکھی تھی۔ یہی میرا مقصد تھا اور یہی میری کامیابی تھی۔ اب میرے پاس نہ پیسے تھے کہ ربوہ پہنچ سکوں، نہ فون تھا کہ بہن کو فون کروں۔

میرے ذہن میں اس وقت حضرت موسیٰ کا ہجرت کرنے کا منظر چل رہا تھا۔ مجھے حضرت موسیٰؑ کی دعا یاد آئی کہ ”یا اللہ تو جو مجھے کھلائے اور پلائے اس کا سخت حاجت مند ہوں“۔

میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دعا مانگ رہی تھی کہ ”یا اللہ اس وقت جو تو میری مدد فرمائے میں اس کی سخت حاجت مند ہوں میرے بچوں کی حفاظت فرمانا اور شام ہو گئی ہے میں کہاں جاؤں؟ سب جاننے والے دشمن بن گئے ہیں۔ تو میری مدد فرما“۔

میں چلتے چلتے دوسرے سیکٹر میں پہنچ گئی۔ بھوک پیاس سے نڈھال، دعائیں مانگتی ہوئی جارہی تھی کہ ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئی۔ ابھی بیٹھی تھی کہ اتنے میں میرے پروردگار کی مدد آگئی۔ ایک موٹر سائکل میرے پاس آکر رکی۔ دو میاں بیوی جو اہلسنت تھے اور پہلے ہمارے پڑوسی رہ چکے تھے، لیکن نہ اب مجھے ان کے گھر کا پتہ تھا نہ وہ میرے ذہن میں تھے، میرے سامنے کھڑے تھے، مجھے ملے اور پوچھنے لگے یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہیں؟ میں نے کہا، بس ایک مسئلہ ہو گیا ہے اگر آپ لوگ ایک فون کروا دیں تو مہربانی ہو گی۔ انہوں نے فون دیا۔ میں نے بہن کو فون کیا کہ میرے شوہر نے سب سے چھوٹا بیٹا بھی رکھ لیا ہے اور مجھے گھر سے نکال دیا ہے مجھے پیسے بھیجو تاکہ میں وہاں آؤں۔ وہ بھی حیران ہو گئی اور کہا میں کچھ کرتی ہوں۔ ان میاں بیوی نے بھی سن لیا وہ اہل سنت تھے اس لئے میرے احمدی ہونے کی خبر ابھی ان تک نہ پہنچی تھی۔ وہ مجھے کہنے لگے ہمارے گھر آجائیں، کھانا کھائیں اور پریشان نہ ہوں رات ہمارے گھر میں رہیں۔ صبح تک بہن پیسے بھیج دے گی تو پھر آپ چلی جانا۔ بس پھر میں ان کے ساتھ گئی، ان کے گھر رات گزاری۔ اگلے دن بہن نے پیسے بھجوائے۔ دن کے چار بجے تک مجھے وہ پیسے ملے۔ ربوہ کی گاڑی پر بیٹھ کر اپنے بچوں کی

طرف منہ کر کے حضور کا یہ شعر پڑھ رہی تھی

لیے او یار حوالے رب دے میلے چار دناں دے
اس دن عید مبارک ہوسی جس دن فیر ملاں گے

رات کے ایک بجے ربوہ پہنچی۔ بہن کے پاس وہاں رہی۔ نمازیں پڑھتی، روتی اور دعائیں مانگتی کہ "یااللہ میرے بچوں کو شرک سے بچا اور ان کو زمانے کے امام کی معرفت نصیب فرما"۔ ایک دن رو رو کے دعا مانگی اور قرآن پاک سے استخارہ کیا تو جواب آیا کہ تین دن تک روزے رکھو اور کسی سے کلام نہ کر۔ یہ تہجد کے وقت کی بات ہے۔ فجر کے وقت بات ہے کہ پھر استخارہ کیا تو جواب آیا کہ آگر تم روزے رکھتے تو تمہارے لئے بہتر ہوتا۔ اگلا دن بدھ کا تھا میں نے روزہ رکھا جمعرات کو بھی روزہ رکھا تیسرا دن جمعہ کا تھا اس دن میں نے روزہ نہیں رکھا لیکن میرے شوہر کا فون آ گیا کہ میں اسلام آباد سے سب کچھ وائینڈ اَپ کر کے بچوں کو لے کر لاہور جا رہا ہوں اپنے بہن بھائیوں کے پاس۔

میں نے بہن سے کہا کہ یہ جہاں بچوں کو لے کے جا رہے ہیں وہ تو شیعوں کا گڑھ ہے۔ بچوں کی روح جو بیدار ہوئی تھی وہ پھر سے سو جائے گی۔ مجھے بچوں کو بچانے کے لئے جانا چاہیئے۔

بہن نے کہا آپ وہاں نہ جائیں شدت پسند لوگ ہیں نقصان نہ پہنچا دیں۔ صدر صاحب اور صدر صاحبہ نے بھی یہی کہا لیکن میں نے کہا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سپاہی بن کر جا رہی ہوں، بس آپ سب دعا کرنا۔ میں نے اپنے شوہر کو فون کیا کہ میں دین کی کوئی بات نہیں کروں گی آپ بھی کوئی بات نہ کریں اور مجھے بچوں کے پاس آنے دیں۔ وہ سمجھے کہ شائد میں واپس شیعہ ہو جاؤں گی کیونکہ وہ سارا شیعہ کا علاقہ ہے جہاں ہر وقت ان کی مجالس ہوتیں ہیں۔ اس لئے انہوں اجازت دے دی۔

جیسا کہ تین دن کا استخارہ آیا تھا تیسرے دن کی شام تھی، میں لاہور پہنچ گئی اپنے بچوں کے پاس۔ وہاں پر رہی۔ وہاں چھپ چھپ کے نمازیں پڑھتی کہ میرے سسرال والے نہ دیکھ لیں کہ میں ہاتھ باندھ کے نماز پڑھ رہی ہوں۔

ایک دن کسی جاننے والے کے گھر گئے میرا چھوٹا دیور بھی ساتھ تھا وہ اور میزبان آپس میں باتیں کرنے لگے اور بات بات میں سبحان علی سبحان علی کہتے۔ میرے بچوں کو کافی برا لگا۔ جب گھر آئے تو اسی پہ بات ہونے لگی میرے تیرہ سالہ بیٹے نے کہا کہ سبحان اللہ ہوتا ہے سبحان علی نہیں ہوتا۔ میرے شوہر غصہ ہوئے اور کہا اپنے سے بڑوں کو غلط نہیں کہتے۔ بچے نے کہا اگر سبحان اللہ کی بجائے سبحان علی ہوتا تو رسول خدا حضرت فاطمہؓ کو تسبیح میں سبحان علی بتاتے۔ میرے شوہر بہت غصہ ہوئے۔ ساری رات غصہ ہوتے رہے۔ صبح ہوئی تو اسی بیٹے کو وائپر کے ساتھ مارنے لگے۔ اتنا مارا کہ اس کے جسم پر نیل پڑ گئے۔ میں اور بیٹی چھڑانے آئے تو ہمیں بھی مارا اور غصے سے کہنے لگے کہ میں بیٹی کا نکاح کر دیتا ہوں اور یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔

شام کو مجلس تھی بچوں کو زبردستی وہاں لے گئے وہاں بھی بچوں نے شیعہ کے ایک بہت بڑے عالم کو سنا جو واضح جھوٹ سنا رہا تھا لیکن لوگ واہ واہ کر رہے تھے۔ بچے اور بددل ہو کر واپس آئے لیکن خاموش تھے رات گزری اور صبح ہوئی میرے شوہر باہر چلے گئے۔

تو میری بیٹی جو ابھی تک احمدیت کا اقرار زبان سے نہیں کر رہی تھی رونے لگی اور مرزا غلام احمد کی جے نعرے لگانے لگی اور میرا تیرہ سالہ بیٹا بھی بہن کے ساتھ نعرے لگانے لگا۔ میں نے پیار کیا اور کہا چپ ہو جاؤ یہاں کسی نے سن لیا تو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ میرے بچے کہنے لگے، نہیں ماما ہم سب کو بتائیں گے چاہے ہمیں قتل کر دیں۔ اس وقت بچوں کا جذبہ عجیب تھا۔ روتے تھے اور نعرے لگاتے تھے۔ میں نے سمجھایا کہ دیکھو میں دعا مانگتی تھی کہ یااللہ میر بچوں کو امام مہدیؑ کا سپاہی بنانا۔ آپ سب نے امامؑ کا سپاہی بننا ہے۔ دین کی خدمت کرنی ہے۔ حضورؒ کا پیغام دنیا تک پہنچانا ہے انشاء اللہ۔ بڑی مشکل سے وہ چپ ہوئے۔

میں نے کہا کہ بس اب یہاں نہیں رہ سکتے کیوں کہ یہ بات بچوں سے چھپائے نہیں چھپ رہی تھی اور میرے شوہر بیٹی کا نکاح کرنے کا سوچ بیٹھے تھے۔ میں نے بچوں سے بات کی کہ دیکھو حضورؒ نے فرمایا ہے کہ یہ کانٹوں کا راستہ ہے تو سوچ لو مشکلیں بھی آئیں گی پھر ہمت نہ ہارنا۔ انہوں نے کہا جو بھی ہو اب ہم اپنے امام کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

بس پھر گھر سے سب کچھ چھوڑ کر دعائیں کرتے ہوئے نکلے کہ یااللہ کوئی دیکھ نہ لے۔ اڈے پر پہنچے اور وہاں سے بہن کے گھر چلے گئے۔ ایک سال میرا بڑا بیٹا باپ کے ساتھ شیعہ رہا لیکن کچھ دن پہلے شیعوں نے اسے بہت مارا اور اس کے فون سے مجھے فون کر کے اس کی چیخیں سنواتے رہے۔ مارتے تھے اور کہتے تھے تو ایک مرزائن کا بیٹا ہے اسے بند کیئے رکھا پھر اللہ پاک نے اپنے فضل سے اسے وہاں سے چھڑوایا اور وہ بھی میرے پاس آ گیا ہے اور الحمد للہ ایک پکا احمدی مسلمان ہو چکا ہے۔

حمد و ثنا ہے اس پاک پروردگار کے لیئے جس نے ان تمام مشکلات سے مجھے نکالا۔ تین دن روزے رکھنے والا اپنا وعدہ مجھ سے پورا فرمایا اور میرے بچے نہ صرف مجھے ملائے بلکہ پکے اور سچے احمدی بنا کر مجھ سے ملائے اور درود ہو اللہ کے حبیبﷺ پر جن کی بتائی ہوئی پیشگوئی اور نشانیوں سے میں نے اور میرے بچوں نے اللہ کے سچے مہدیؑ کو پہچانا اور حق کو تلاش کرتے کرتے اس تک پہنچ گئے الحمد للہ

❁❁❁

جشن ہائے بہاراں

نوروز سے ایسٹر اور ہولی سے بسنت تک

تحریر: شازیہ حسن

چاہے کوئی لفظ نوروز کسی بھی تلفظ سے ادا کرے لیکن جیسے ہی سورج برج حمل کے مدار میں داخل ہوتا ہے ویسے ہی کھانے کی میزیں بھی طرح طرح کی اشیاء سے سج جاتی ہیں۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب بر جوں کا نیا سال شروع ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ وہ وقت بھی ہوتا ہے جب کئی پارسی، اسماعیلی اور ساتھ ہی افغانستان اور وسط ایشیا کے کچھ لوگ بھی بہار یا اعتدال بہار کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ ایک نئی زندگی اور ایک نئے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سال پاکستان میں اعتدال بہار ہفتے کے روز دوپہر 2 بج کر 36 منٹ پر ہوا۔ چونکہ میں اس تہوار کے بارے میں لکھنا چاہتی تھی اس وجہ سے میں نے اس تہوار کو منانے والوں کی کھوج شروع کر دی۔ سب سے پہلے میں نے اپنے پارسی دوستوں کو اس امید کے ساتھ فون کیا کہ شاید ان میں سے کوئی مجھے اپنے ساتھ اس تہوار میں شریک کر لے۔ پارسی سب سے زیادہ دوستانہ اور مہمان نواز لوگ ہوتے ہیں لیکن ان میں سے سب نوروز کے لیے خاص طور پر میز نہیں سجاتے۔

میری بچپن کی دوست 'ٹی جے ڈی' نے مجھے بتایا کہ 'ایرانی پارسیوں کے یہاں خصوصی طور پر میز سجائی جاتی ہے۔ ہم تو صرف ایک شاندار کھانے کا اہتمام کرتے ہیں'۔ اسی وجہ سے اس جشن کو فارس کے بادشاہ جمشید کے نام پر جمشیدی نوروز کہتے ہیں۔ شمسی ہجری کلینڈر بھی اسی بادشاہ کے نام سے منسوب ہے۔

پارسی ایک اور نوروز بھی مناتے ہیں جو اس سال 16 اگست کو آئے گا۔ یہ نوروز انڈین کیلنڈر کے اعتبار سے منایا جاتا ہے، جس میں سالِ کبیسہ کا خیال نہیں رکھا جاتا اور اسی وجہ سے نوروز دیر سے آتا ہے۔ کچھ سال قبل میں نے ٹوئیٹر پر ایک ایسی اسماعیلی خاتون کو ڈھونڈا جو روایتی طریقے سے نوروز مناتی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ 'ٹھیک ہے، لیکن آپ صبح ساڑھے 6 بجے آجایئے گا اور برائے مہربانی تاخیر مت کیجیے گا'۔ لیکن میں نے صبح ساڑھے 6 کو شام ساڑھے 6 سمجھ لیا۔ اس غلطی کی وجہ سے مجھے ناصرف وہ تہوار چھوڑنا پڑا بلکہ ان خاتون نے مجھے ان فالو بھی کر دیا۔ پاکستان میں اب پارسی کم ہی رہ گئے ہیں اور ایران سے تعلق رکھنے والے پارسی تو بہت ہی کم ہیں۔ لیکن پھر بھی میری کوششیں رنگ لے آئیں اور مجھے کچھ گھروں میں نوروز کے جشن میں شریک ہونے کی دعوت مل گئی۔

پارسی اور اسماعیلی دونوں ہی میز کو سجانے میں اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ میز پر موجود اشیا کے نام 'س' سے شروع ہو رہے ہوں۔ میز پر سبزیاں ہوتی ہیں جن میں عموماً گندم کے تازہ اُگے ہوئے پودے ہوتے ہیں جنہیں نوروز سے کچھ دن قبل ہی اگایا جاتا ہے تاکہ وہ نوروز تک کچھ بڑے ہو جائیں (جو اور دالوں کی کونپلیں بھی ہوتی ہیں لیکن گندم زیادہ عام ہے)۔ اس کے علاوہ گندم کی کونپلوں سے تیار کردہ ایک قسم کی پڈنگ بھی ہوتی ہے جسے سمانو کہتے ہیں۔ میز پر سیب، خشک میوے (سنجد)، لہسن (سیر)، سرکہ اور کچھ سکّے بھی رکھے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان 7 چیزوں پر مشتمل میز کو 'ہفت سین' بھی کہا جاتا ہے۔

طرح طرح کی چیزوں سے سجی اس میز پر مٹھائیاں بھی ہوتی ہیں اور میٹھے مشروبات بھی۔ ایک پیالے میں گولڈ فش بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح ابلے ہوئے انڈے بھی رکھے جاتے ہیں جنہیں بچوں نے سجایا ہوتا ہے۔ اس کا مقصد تہوار میں بچوں کو بھی شریک کروانا ہوتا ہے۔ جیسے ہی گھڑی مقررہ وقت کا اعلان کرتی ہے تو گھر کے افراد ایک دوسرے پر اور مہمانوں پر عرق گلاب چھڑک کر اس تہوار کو منانے کا آغاز کرتے ہیں۔ وہ مل کر ایک موم بتی یا مٹی کے دیے کو جلاتے ہیں اور ایک ایک کر کے آئینے میں اپنا مسکراتا ہوا عکس دیکھتے ہیں (اپنا مسکراتا ہوا عکس دیکھنا سال بھر کی خوشیوں سے منسوب ہے) اور اس دوران وہ سب کی بھلائی اور زمین کی خوشحالی کی دعائیں کرتے ہیں۔ سجے ہوئے انڈے ایک نئے جنم اور تخلیق کی علامت ہیں۔ میز پر موجود سکوں کی طرح گولڈ فش بھی دولت کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ اس بات کی امید ہوتی ہے کہ نیا سال اپنے ساتھ خوشحالی، صحت اور مسرتیں لے کر آئے گا۔ چونکہ روایت کے مطابق اس میز کو 13 دن سجے رہنا ہوتا ہے جس میں سب کو دعوت عام ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دن اس مچھلی کے لیے آسان نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے ایک جگہ مجھے میز پر گولڈ فش کی تصویر نظر آئی اور ایک دوسری جگہ میز پر مچھلی کے شکل میں برفی رکھی ہوئی تھی۔ اسی طرح ایک گھر میں مچھلی کی شکل کی ٹرے میں پھل سجائے گئے تھے۔ نوروز کے ساتھ نئے جنم کو مناتے کئی دیگر مذہبی اور روایتی تہواروں کا آغاز بھی ہو جاتا ہے۔ ان تہواروں میں سب سے بڑا تہوار ایسٹر کا ہوتا ہے لیکن ایسٹر سے پہلے ایک ہندو تہوار ہولی آنے والا ہے۔

ہولی رنگوں کا تہوار ہے۔ یہ مارچ کے مہینے کے پہلے پورے چاند پر منایا جاتا ہے۔ اس سال یہ 28 مارچ کو منایا جائے گا۔ یہ وہ دن ہے جب رنگوں سے بھری پچکاریاں اور غبارے نظر آئیں گے۔ اگر آپ بھی اس تہوار کا حصہ ہوں گے تو آپ خود کو ان چیزوں سے بچنے کے لیے چھپتے ہوئے دیکھیں گے لیکن ظاہر ہے پھر خود بھی اس شرارت میں شامل ہو جائیں گے۔ اگرچہ یہ ایک ہندو تہوار ہے لیکن کچھ مسلمان بھی خوشیوں کے چند لمحات گزارنے کے لیے اس میں شامل ہوتے ہیں۔ اس تہوار کی مذہبی اہمیت بھی ہے لیکن اسے فصل کی کٹائی کے وقت بھی منایا جاتا ہے جو اپنے آپ میں جشن کا موقع ہوتا ہے۔ نوروز کی طرح ایسٹر میں بھی سجے ہوئے انڈے ہوتے ہیں جو ایک نئی زندگی کی علامت ہوتے ہیں۔ گڈ فرائیڈے ایسٹر سے 2 دن قبل منایا جاتا ہے۔ عیسائی عقیدے کے مطابق اس دن حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا جبکہ ایسٹر سنڈے وہ دن کہ جب انہیں دوبارہ زندہ کیا گیا تھا۔ ایسٹر ایک نئی زندگی کا جشن ہے۔ اس سال ایسٹر کا تہوار 4 اپریل کو منایا جائے گا۔

اس دوران پورے ملک میں جشن بہاراں اور بسنت منائی جاتی ہے۔ لوگ اس الجھن کا شکار رہتے ہیں کہ بسنت کو پتنگیں اڑا کر منایا جائے یا پھر صرف تازہ کھلے ہوئے زرد پھولوں کی مناسبت سے زرد رنگ کے کپڑے پہن کر بسنت منائی جائے۔ ❁❁❁

میک اَپ ضرور کیجئے... مگر!

تحریر: امتہ الباری ناصر

اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند فرماتا ہے۔ اس کی ہر تخلیق حسین ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

غالب کا عارفانہ شعر ہے

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

بناؤ سنگار' تزئین و آرائش' بننا سنورنا' آراستگی' میک اَپ انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ خاص طور پر صنفِ نازک کا حق ہے۔ میک اپ ضرور کیجئے... مگر یہ سوچ لیجئے کہ ہمیں کتنے وقت کیلئے میک اَپ چاہئے، وقتی یا دائمی؟ آپ کو عمر کی مناسبت سے کیسا میک اَپ کرنا ہے اور کب کرنا ہے۔ ہم نے اپنی بزرگ خواتین کے مُنہ سے یہ جملہ کئی مرتبہ سُنا تھا

" کیسا زمانہ آ گیا ہے بیاہی اور بن بیاہی میں تمیز ہی باقی نہیں رہی جس کو دیکھو سُرخی پاؤڈر تھوپا ہے"

ہم بزرگوں کا یہ اعتراض سن کر دل میں سوچتے تھے یہ بھی اپنے وقتوں میں ہر میسر سامان آرائش استعمال کرتی ہوں گی مگر ہم کریں تو پسند نہیں آتا۔ اور اب ہم بالکل اُسی انداز میں آجکل کی بچیوں کے بارے میں کہتے ہیں

" آنکھوں پر رنگ برنگے شیڈز لگا کے' بال رنگ کے' مصنوعی پلکوں اور ناخنوں کے ساتھ حلیہ بگاڑ لیا ہے"

یہ سلسلہ وقت کی رفتار کے ساتھ آگے چلتا رہتا ہے۔ فیشن بدلتے رہتے ہیں آج کی نئی نسلیں کل بڑی ہو کر اسی انداز میں نئے فیشنوں کو دیکھ کر ماتھے پر بل ڈالیں گی۔ ہر نسل اپنے زمانے میں جیتی ہے۔ بدلتے انداز' بدلتے فیشن' نیا پن اچھا لگتا ہے مگر سن و سال میں آگے بڑھ جانے والے تبدیلیوں کو جلدی سے قبول نہیں کرتے۔ اور روکنا ٹوکنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ تاہم ایک بات پر سب کا اتفاق ہے کہ لباس اور میک اپ عمر کی مناسبت سے ہی سجتا ہے

چھوٹی عمر کی بچیاں تو اتنی پیاری ہوتی ہیں کی میک اپ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اور کرنا بھی نہیں چاہئے کیمیکلز سے نازک جلد کو نقصان پہنچتا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں زیادہ توجہ پڑھائی کی طرف ہوتی ہے تاہم اپنی ذات کا شعور بیدار ہونے لگتا ہے اچھا لگنے کا شوق بڑھتا ہے۔ ہلکا سا میک اَپ موقع کی مناسبت سے اچھا لگتا ہے بچیوں کی اپنے شوق پورے کرنے کی عمر ہوتی ہے۔ زمانے کے ساتھ فیشن کے انداز بدل لیتے ہیں۔ نیا پن اپنانے کی دوڑ بھی اسی زمانے میں ہوتی ہے۔ سہیلیوں سے پیچھے رہنا کسی طور گوارا نہیں ہوتا۔ فطری تقاضوں کو نہ روکیں تھوڑی سی رہنمائی کر دیں کافی ہے۔ بالکل منع کرنے کی صورت میں وہ چھپ کے کریں گی جو اور بھی نامناسب ہے۔ شادی سے پہلے ہلکے رنگوں کا انتخاب کیجئے جبکہ شادی کے بعد گہرا میک اپ کرنا اچھا لگتا ہے۔ اور سجنے سنورنے کی جس کھلی چھوٹ کا انتظار ہو رہا ہوتا ہے وہ یہی زمانہ ہے۔ پھر عمر بڑھنے کے ساتھ مزاج میں سنجیدگی آ جاتی ہے عمر اور موقع کی نسبت سے میک اپ گہرے سے ہلکا ہونے لگتا ہے۔ بڑی عمر میں میک اپ کریں ہو تو پھر ہلکا ہی زیب دیتا ہے۔ یہ ہر ایک کے اپنے مزاج پر منحصر ہے کہ وہ کب یہ سمجھ لے کہ اب ہاتھ ہلکا رکھنا ہے اسی طرح میک اَپ میں وقت کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ صبح کی تقریب ہے یا شام کی صرف گھر کے لوگ ہوں گے یا دور کے رشتہ دار اور باہر کے لوگ بھی ہوں گے۔ بناؤ سنگار کا بنیادی مقصد پُر کشش، قابلِ توجہ اور منفرد نظر آنا ہے ہمیں کس کس کے سامنے اپنی پر کشش صورت دکھانے کی اجازت ہے کس سے حجاب رکھنا ہے۔ اس کے لئے بھی ہمارے پاس اسلام میں راہنمائی موجود ہے اور وہ سادہ سا اصول جو پردے کے لئے ہے کہ جن سے نکاح ہو سکتا ہے اُن سے پردہ ہے بالکل اسی طرح پُر کشش انداز میں صرف اُن کے سامنے جانا مناسب ہے جن کے سامنے جانے کی قرآنِ پاک میں اجازت موجود ہے۔ بازار میں شاپنگ کے لئے جانا ہے یا ڈاکٹر سے مشورہ لینے جانا ہے تو سادگی ہی بہتر ہے۔ بہت ممکن ہے شاپنگ کرتے ہوئے اور ڈاکٹر سے معائنہ کے دوران ہم پردہ پر مناسب گرفت نہ رکھ سکیں۔

اسی طرح گھروں میں اگر ایسے افراد کی آزادانہ آمد و رفت رہتی ہے جو ہیں تو قریبی رشتہ دار اور اُن سے پردہ بھی نہیں مگر سوسائٹی وغیرہ کے متعلق کوئی علم نہیں اُن کے سامنے بھی سادگی ہی محفوظ طریق ہے یقین جانئے اگر ہم آزادانہ گھومنے پھرنے والی عورتوں کو للچائی ہوئی بھوکی نظروں سے گھورنے والوں کے خیالات پڑھ سکیں تو ایک حجاب نہیں ستر حجابوں میں چھُپ جانے کو دل چاہے گا۔ حجاب میں نرمی کے لئے معاشرے کے پاکیزہ ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا

قرآن مجید نے جو اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی رعایت دی ہے اس میں جو ہاتھ پاؤں قد کاٹھ وغیرہ آتے ہیں وہ مرصع نہیں ہوتے سادے ہوتے ہیں جن کی طرف نگاہیں بلا سبب نہ اُٹھیں۔

میک اَپ ضرور کیجئے مگر یہ بھی سوچ لیجئے کہ ہمیں کتنے وقت کے لئے میک اَپ وقتی چاہئے یا دائمی؟ سنگار کا سامان ہمیں وقتی آرائش دے سکتا ہے مگر ایک دائمی حسن بھی ہوتا ہے کیا آپ کی کبھی ایسی شخصیت سے ملاقات ہوئی ہے جس کے چہرے پر ایک عجیب سا نورانی

حُسن ہوتا ہے اتنا کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی دل کرتا ہے بس دیکھتے چلے جائیں۔ وہ حُسن کہاں سے آتا ہے وہ باطن سے آتا ہے ظاہری نہیں ہوتا، وہ ایسا میک اَپ ہوتا ہے جو کلینز نگ کریموں سے، یا ٹیشو پیپر سے یا منہ دھونے سے نہیں اُترتا، ہر دم نکھرتا ہے، یہ اخلاق کا حُسن ہے جو چہرے پر زندگی کی چمک پیدا کرتا ہے اور مثبت خیالات کا عکس ہے جو نورانی ہالہ بن جاتا ہے، دیرپا بھی ہوتا ہے اور پُرکشش بھی۔ ہمیں دونوں طرح حسین نظر آنا ہے۔ ایک مثالی عورت کو پژمُردہ نہیں رہنا ہشاش بشاش رہنا ہے باطنی حسن کا نسخہ اور سامان ہر ایک احمدی کے پاس موجود ہے۔ اس کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے ہیں قرآن پاک باترجمہ اور تفسیر پڑھنی ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو کم از کم تین مرتبہ پڑھنا ہے۔ خلیفہ وقت کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہے ذیلی تنظیموں کو کامیابی سے چلانے کے لئے اپنی ذمہ داری ادا کرنی ہے، داعی الی اللہ بننا ہے گھر کا ایسا ماحول بنانا ہے جہاں سکون' طمانیت اور حقیقی خوشی ہو، مثالی احمدی خاتون کا حسن ماحول کو بابرکت بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد جو وقت بچ جائے۔۔۔ میرا خیال ہے اتنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے ذوق اتنا بدل جائے گا کہ وقت تو کیا بچے گا ہم سوچیں گے کہ اس طرح کی کئی زندگیاں ہمیں مل جائیں تو سب راہِ خدا میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت میں گزار دیں اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے آمین اللھم آمین

❁❁❁

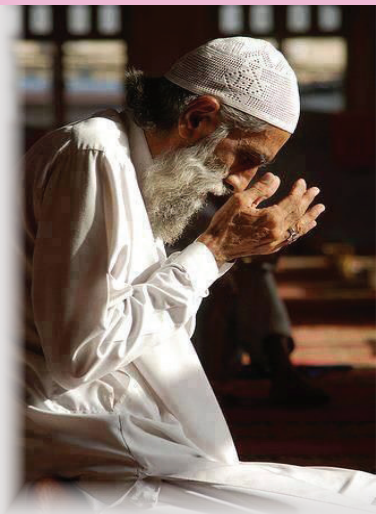

نورانی مخلوق

تحریر: بامی انگلینڈ

مسجد سے نماز پڑھانے کے بعد واپسی پر بابا جی محمد حسین گلی کی نکڑ پر وعظ ونصائح لئے کوئی نیکی کی بات شروع کر دیتے... راہ چلتے لوگوں کے قدم رک سے جاتے... آتے جاتے لوگ حکمت کی باتوں سے مستفید ہوتے... کیا سنی ... کیا شیعہ اور وہابی سب انہماک سے انکی باتیں سنتے ... قران کی تفسیر ہو یا حدیث کا بیان... بابا جی جب بولتے تو انکی زبان سے الفاظ فراوانی سے نکلتے گویا کوئی فرشتہ بول رہا ہو... حکمت کے موتی بکھر کر کانوں میں رس گھول رہے ہوتے پاک وجود کی مقدس باتیں اس مجلس کو مزید بابرکت بنا دیتی تھیں۔ گو یہ بہت مختصر سی مجلس ہوتی تھی مگر دینی علم ومعارف سے پُرخزانہ ہوتی گویا نوری پھولوں کا گلدستہ ہوتی تھی جن کی مہک بابا جی کے وجود سے پھوٹ رہی ہوتی تھی وہ روحانی خوشبو جو پاک روحوں کی کشش کا باعث بنتی...

فجر کے وقت ہمارے گھر کی کنڈی اس آواز کے ساتھ بجتی... اٹھو اذان ہوگئی مسجد چلو... بانگ مل گئی اے۔... کبھی خود گھر کے اندر آ کر صحن میں پڑی چار پائی کی ٹانگوں پر اپنی چھڑی سے دستک دے کر بے خبر سوئے بھانجے کو جگا کر نماز کے لئے ہمراہ لے جاتے... ایک دن بھانجے سستی میں سوتے رہے تو بہن کو فرمایا...

سن بہن!... یہ تمہارا پتر فجر کے وقت نہیں سویا ہوا... تمہارے بخت سوئے ہوئے ہیں .. یہ حکمت والے لوگوں کی پُرحکمت باتیں تھیں۔

میری انتہائی کمسنی کے دن تھے مجھے خواب کی طرح یاد ہے... کبھی جب میں بھی ابا جان کے ساتھ جاتی تو نماز سے واپسی کے وعظ کو سننا بہت اچھا لگتا... کم عمری کی وجہ سے کچھ سمجھ آتا کچھ نہیں آتا تھا لیکن میں ضد کر کے ابا جی کے ساتھ جاتی...

ایک دن ظہر کے بعد واپسی پر بابا جی راستے میں پڑے کانٹے کو اپنی ہاتھ میں پکڑی چھڑی سے ہٹا کر بولے... آج اگر لوگوں کے لئے راستہ سے کانٹے ہٹاؤ گے تو کل تماری زندگی کے کانٹے رب ہٹائے گا... دادی حاجرہ صاحبہ اور بابا جی محمد حسین صاحب ... دنیا میں میں فرشتوں کی سی نورانی مخلوق تھے... چونکہ ہمارے آبائی گھر آمنے سامنے تھے اس لئے شام سے پہلے عصر کے وقت امی جان بچوں کے ہمراہ کچھ وقت کے لئے ان نورانی بزرگوں کو ملنے جاتیں... تو ہمیں بھی انکی بابرکت صحبت ملتی اور کوئی نیکی کی پر حکمت بات ہمارے معصوم ذہن کے پردہ ثبت ہو جاتی۔ سارا محلہ اور برادری انکی محبت بھری نورانی باتیں سننے انکے گرد جمع رہتا... صحن کے وسط میں بچھی چار پائی پر سفید بچھے بستر پر گاؤ تکیہ لگائے باریش بارعب نورانی وجود... سفید شلوار قمیض پہنے اپنے ارد گرد کے ماحول میں برکت اور نور پھیلاتے ہوئے وجود لگتے تھے...

دادی اماں بتاتی تھیں کہ بڑے بیٹے کو مسجد میں کشفی حالت میں اس کی پیدائش سے بہت پہلے دیکھا... وہی بچہ جب چار سال کا ہو گیا اس نے بولنا شروع نہیں کیا تو مولانا راجیکی صاحب بابا جی محمد حسین صاحب کو ملنے جھنگ تشریف لائے... بابا جی نے انکو بتایا... ... ...بچے نے ابھی تک بولنا شروع نہیں کیا... مولانا راجیکی صاحب بچے کو دیکھتے ہی بولے ......اوئے گونگو تو بولدا کیوں نئیں ...

پھر فرمایا: جدوں اہیہ بولے گا تے دنیا سنے گی... یہی وہ بچہ تھا جس کے پیدا ہونے کی نوید خدا نے بابا جی محمد حسین کو مسجد میں دعا کے دوران دی تھی...

دادی حاجرہ بھی رب سے پیار کرنے والی فرشتہ سیرت نور کا ہالہ لئے لگتی تھیں... نور و محبت کا سرچشمہ، توکل کے مینار یہ نورانی جوڑی ہی تھی... خدا نے جن کے بطن سے عبد السلام جیسا ھونہار... احمدیت اور اسلام کے نام کو روشن کرنے والا سپوت عطا کیا... جس نے عالمی اعزاز نوبل پرائز حاصل کیا اور ان بزرگ کے منہ سے نکلی ہوئی بات خدا نے پوری کر دی۔ جدوں ایہہ بولے گا تے فیر دنیا سنے گی...

❁❁❁

نوٹ: وہ بھانجے میرے والد محترم تھے۔ چوہدری محمد یحیٰ مقبول صاحب آف جھنگ شہر۔

لکھنؤ سے آئی نظمیں

قسط اوّل

تحریر: ڈاکٹر شہناز شورو

زارا کی امی نہایت سگھڑ عورت کے طور پر پورے محلے میں مشہور تھیں۔ وہ محلے کی خواتین کو سلائی کڑھائی سکھاتے، کروشیا اور سویٹر بننے کے علاوہ کھانوں کی ترکیبیں بھی سکھاتی رہتی تھیں۔ تسلیم کی امی بھی ان سے شب برات وغیرہ پر مختلف مٹھائیاں اور حلوے بنانے کی ترکیبیں پوچھا کرتیں۔ اہل بیت سے نہایت عقیدت رکھنے کی وجہ سے وہ تسلیم کی امی کو یوں بھی بہت پسند کرتی تھیں کہ وہ انہیں اپنے ساتھ مجالس میں لے کر جایا کرتی تھیں۔

زارا، تسلیم کی امی کو خالہ کہا کرتی تھی۔ خالہ کے سات بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ تسلیم سے چھوٹے دو بھائی تھے اور پانچ بھائی تسلیم سے بڑے، جب کہ شمائلہ باجی سب سے بڑی تھیں۔ شمائلہ باجی کے بعد حسن بھائی تھے۔ لمبے چوڑے، وجیہہ و شکیل حسن بھائی جو تسلیم کی حرکتوں سے سخت نالاں رہتے اور جب بھی موقع ملتا اسے دو چار ہاتھ جڑ دیتے تھے۔

یوں تو زارا کے والدین زارا کو محلے بھر میں کہیں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے مگر تسلیم کے گھر جانے کے لئے زارا پر کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حسن بھائی کے ساتھ جانے پر نہ تو کبھی امی کو اعتراض ہوا نہ ابا کو۔ اسکول چونکہ تسلیم والوں کی گلی میں تھا، لہٰذا چھٹی کے وقت اگر حسن بھائی کا گزر وہاں سے ہوتا تو وہ تسلیم کے ساتھ زارا کو بھی کچھ دیر کے لیے اپنے گھر لے جاتے۔

حسن بھائی کا پیار جتانے کا طریقہ بہت دلچسپ تھا۔ دونوں ہاتھ سے زارا کو اٹھا کر اپنے سے اونچا کرتے، پھر بڑے پیار سے اسے زمین پر اتارتے۔ کبھی زارا کی لمبی چوٹیوں کو سراہتے۔ کبھی اس کے سفید کینوس شوز کی ڈوریاں کس دیتے کہ کہیں گر نہ جائے۔ کبھی اسے پنسل شارپ کر کے دیتے تو کبھی اس کی کاپیوں کے کور درست کر رہے ہوتے۔ بار بار اسے کھانا کھانے کے لیے اصرار کرتے۔ یوں تو کسی سے بھی کھانے پینے کی چیز لینا یا گھر سے باہر کھانا کھانا زارا کے لیے ممنوع تھا مگر تسلیم کے گھر کے لیے پابندی کچھ نرم تھی لہٰذا جب بھی حسن بھائی نوالہ بنا کر اس کے سامنے کرتے وہ منہ کھول دیتی۔ مجال ہے جو ایسے میں کبھی تسلیم قریب بھی پھٹک جائے۔ جان نہ نکال دیتے حسن بھائی اس کی۔ خالہ یہ سب ماجرا دیکھ کر ہنستی رہتیں اور تسلیم کو برا بھلا کہنے میں حسن بھائی کا ساتھ دیتیں، جس نے اس معصوم بچی کو خوفزدہ کیا ہوا تھا۔

''اماں یہ گھوڑی باز نہیں آئے گی اس غریب کو تنگ کرنے سے۔'' حسن بھائی جو زارا کا ہاتھ پکڑے گھر میں داخل ہوئے تھے، غصے سے اماں سے بولے۔

''یہ لاتوں کے بھوت ہیں، باتوں سے نہیں مانتے۔'' اماں بھی عاجز آ چکی تھیں، اسکول اور محلے سے تسلیم کی شکایتیں سن سن کر۔

پوچھیں تو سہی اس معصوم کے ساتھ کیا کیا ہے آج اس نے؟ حسن بھائی نے تسلیم کو گھورا۔ تسلیم جو آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی، جھینپتی ہوئی حسن بھائی کے پیچھے کو ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''کھا گئی ہو گی ندیدی اس کا کھانا۔'' امی نے تیوری چڑھا کر تسلیم کی طرف دیکھا۔

''نہیں اماں، نئی سنو۔ آج جب میں اسکول گیا تو یہ گھوڑی اپنا اسکول کا کام زارا اور اس کے بھائی سے کروا رہی تھی۔ وہ حساب کر کے دے رہا تھا اور زارا اس کی اردو لکھ رہی تھی اور یہ نواب زادی بن کر دونوں پر حکم چلا رہی تھی۔ میں آپ کو لکھ کے دے رہا ہوں۔ بلیک میلر بنے گی ایک دن۔ محلے لڑوائے گی اور اپنے گھر میں جوتے کھاتی پھرے گی اپنی ساس اور میاں سے۔'' حسن بھائی طیش میں آ کر بولنے لگے۔

زارا چلو گڑیا تم کو گھر چھوڑ کر آؤں پہلے، پھر گھر آ کر خبر لیتا ہوں اس چڑیل کی۔ حسن بھائی نے زارا کا ہاتھ تھاما اور تسلیم کو غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر نکل آئے۔ راستے میں گپک والا نظر آیا تو حسن بھائی نے ایک گپک خریدی۔ آدھی توڑ کر زارا کو دی اور آدھی خود کھائی، پھر اپنے ہاتھ سے زارا کا منہ صاف کیا اور اس کے گھر کے دروازے پہ پہنچ کر دستک دی۔ چک ذرا سی ہٹی۔ زارا کی امی کے دریافت کرنے پر کہ کون ہے۔ حسن بھائی بولے ''خالہ میں ہوں حسن۔ تسلیم کا بڑا بھائی۔''

''ہاں بیٹا کہو کیا بات ہے؟'' امی چک کی اوٹ سے بولیں۔

''خالہ میں زارا کے ساتھ ہوں۔ آپ سے کہنا تھا کہ آپ تسلیم کی کسی بات کا یقین نہ کیا کریں۔ ایک نمبر کی جھوٹی ہے وہ۔ اس معصوم کا کھانا بھی کھا جاتی ہے اسکول میں اور اسے آپ کی دھمکی بھی دیتی ہے کہ جھوٹی سچی شکایتیں لگا کر پٹواؤں گی۔ یہ معصوم نہ لڑ سکتی ہے نہ اس چڑیل کی باتوں کا جواب دے سکتی ہے تو میں التجا کرنے آیا تھا آپ سے کہ آپ برائے مہربانی تسلیم کی باتوں میں نہ آئیں۔

امی نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ شکریہ ادا کیا اور بولیں۔ ''بیٹا تمہاری امی کئی دن ہو گئے نہیں آئیں۔ ان کو میرا سلام کہنا اور آنے کے لیے بھی کہنا۔''

''جی ضرور خالہ، شکریہ۔'' حسن بھائی نے زارا کے گال تھپتھپائے جو گھر کے اندر داخل ہو رہی تھی۔

تسلیم اپنی حرکتوں سے بھلا کہاں باز آتی۔ مگر اب ماسٹر صاحب، اماں اور حسن بھائی سب اس کی طرف سے چوکنے ہو گئے تھے۔ زارا اگر اسکول میں اداس دکھائی دیتی تو ماسٹر صاحب کو گمان گزرتا کہ ہو نہ ہو یہ کارستانی تسلیم کی ہے، اور تسلیم کے گھر میں تو زارا کی خاموشی کا

مطلب ہی یہ لے لیا گیا تھا کہ بچی کو تسلیم کا ڈر بیٹھ گیا ہے۔

تسلیم کی امی کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ وہ صرف دو رنگوں کے کپڑے پہنتی تھیں۔ محرم میں سیاہ اور باقی دنوں میں سفید۔ اور ان دونوں رنگوں میں وہ بے پناہ جچتی تھیں۔ شاعری سے گہرا شغف، محرم کے ادب آداب سے واقف، اپنی رکھ رکھاؤ والی شخصیت اور قرینے والی گفتگو کے باعث بہت بھلی معلوم ہوتیں۔ شرافت ان کے چہرے سے ٹپکتی تھی۔ پردے کی بڑی سخت یہاں تک کہ اگر زارا کے گھر جاتیں اور اگر زارا کے ابا گھر میں ہوتے تو برقعہ کے نقاب سے چہرے کو ڈھانپے رکھتیں تا آنکہ وہ بیٹھک میں نہ چلے جاتے۔

ہر چھوٹے بڑے مواقع پر زارا کی امی سے مشورہ ضروری خیال کرتیں۔ اور انہیں ”زارا کی امی“ کہہ کر مخاطب کرتیں گو کہ گھر میں زارا کے دو بھائی اور بھی تھے۔ مگر زارا ان کی لاڈلی تھی اور اس لاڈ میں انھیں اپنی بیٹی بھی نظر نہ آتی تھی بلکہ بقول ان کے، ان کی لڑکی میں کوئی گن نہ تھا۔ اس کے برعکس امی تسلیم کو ذرا مختلف لڑکی سمجھ کر اس سے شفقت کا برتاؤ کیا کرتیں۔

زارا کو تسلیم واقعی ناپسند تھی مگر اسے ان کے گھر کا دلچسپ ماحول دیکھنا بہت پسند تھا۔ تسلیم والوں کے آنگن میں ایک درخت تھا۔ گھنا، سایہ دار درخت۔ اس درخت کی مضبوط شاخوں پہ پہلی بار زارا نے کالی چڑیا اور اس کا تنکوں سے بنا دو منزلہ مکان نما سڈول سا گھونسلہ دیکھا تھا جس کے ایک طرف اندر جانے کے لیے گول دروازہ تھا تو دوسری جانب نہایت نفاست سے بنی کھڑکی۔ چڑیا اور چڑے کی متواتر آمد و رفت کو دیکھنا زارا کے لئے نہایت خوش کن تجربہ ہوا کرتا جو ہر بار ایک نئی امنگ اور ترنگ کے ساتھ چونچ میں تنکے دبائے اڑتے چلے آتے۔

پھر درخت کی شاخوں پر پھدک پھدک کر اپنے گھر کی تخلیق میں منہمک و مگن ہو کر ان تنکوں کو ترتیب سے رکھتے۔ پھر ساتھ ساتھ اڑ جاتے اور واپسی میں ہر بار ان کی چونچ میں نیا تنکا دبا ہوتا۔ گھر کو حسین تر بنانے کے اس تخلیقی و عشقیہ منظر کو زارا گھنٹوں دیکھ سکتی تھی۔ خالہ اس کی محویت پہ اس کے صدقے واری ہوتی رہتیں۔ اسے دا ون کے بجائے چار پائی کے درمیانی حصے پہ بٹھانے کی کوشش کرتیں۔ کبھی اس کی بلائیں لیتیں، کبھی اس کے کڑھائی کیے فراک کی تعریف کرتیں تو کبھی اس کے لمبے لمبے سیاہ بالوں اور چمکدار ذہین آنکھوں کی۔ اور ایسے لمحات میں، مولوی محمد اسماعیل میرٹھی کی

دو تین چھوٹے بچے چڑیا کے گھونسلے میں
چپ چاپ لگ رہے ہیں سینے سے اپنی ماں کے
چڑیا نے ممتا سے پھیلا کے دونوں بازو
اپنے پروں کے اندر بچوں کو ڈھنک لیا ہے
اس طرح روزمرہ کرتی ہے ماں حفاظت
سردی سے اور ہوا سے رکھتی ہے گرم ان کو

اسے سناتیں۔ یہ نظم سنتے ہوئے زارا کا جی شدت سے چاہتا کہ وہ چڑیا کا بچہ ہوتی اور اس خوبصورت گھونسلے میں رہتی جسے ہوا آہستہ آہستہ جھولا جھلاتی رہتی تھی۔ اور یہ چڑا اور چڑیا اس کے ماں باپ ہوتے اور اس کی چونچ میں محبت سے چوگا دانہ ڈالتے۔ خالہ کو بہت سی نظمیں یاد تھیں اور وہ انہیں بہت اچھی آواز میں کبھی تحت اللفظ پڑھتیں تو کبھی ذرا اونچی آواز میں گنگناتیں۔ مولوی محمد اسماعیل میرٹھی کی ایک دو نظمیں اردو کی اسکول کی کتاب میں ہونے کی وجہ سے زارا کو بھی یاد تھیں، مگر خالہ نے اسے ان کی دیگر کئی نظمیں سنائیں۔ جنھیں وہ مبہوت ہو کر سنا کرتی تھی۔ مولوی صاحب کی ایک نظم، ”خبر دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں، اجالا زمانے میں پھیلا رہی ہوں“ خالہ کو اس کے منہ سے سننا بہت اچھا لگتا تھا۔

”تمہیں تو نظم اچھی طرح یاد ہو گئی ہو گی پوری؟“ انہوں نے بڑی لگاوٹ سے زارا سے پوچھا۔ ”ذرا سناؤ تو۔“... زارا نے جھٹ چار پائی سے اتر کر لہک لہک کر نظم سنانا شروع کی، اور جب وہ اس بند پر پہنچی کہ:

میں سب کاربہوار کے ساتھ آئی
میں رفتار و گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی
میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

تو خالہ نے بے ساختہ اس کا منہ چوم لیا۔ ”اب جب وہ تمہارے حسن بھیا آجائیں تو سنانا ان کو۔ بہت خوش ہوں گے۔“

”اور یہ لو تمہارا انعام۔“

انہوں نے اپنا پاندان کھسکایا اور بھیگے ہوئے تر و تازہ پان کے خوشبودار پتے سے تھوڑا سا پتہ توڑا اور بولیں۔ ”ہم اس پر چونا نہیں لگائیں گے۔ بس ہلکا سا کتھا، یہ سونف، ذرا سی زعفران اور باریک سی کتری ہوئی چھالیہ۔ یہ لو۔“

زارا پان کی خوشبو اور خالہ کی محبت کے آگے انکار نہ کر سکی اور سیدھے ہاتھ کی دو انگلیوں اور انگوٹھے کی مدد سے پان پکڑ لیا۔

خالہ مسکرائیں اور بولیں۔ ”اب پورا منہ کھول کر، دائیں طرف کو، کلے میں رکھو گلوری کو۔“

زارا نے ہو بہو ایسا ہی کیا اور یوں سعادت مندی سے ہدایت پر عمل کرتے خالہ نے جب اسے دیکھا تو اپنی دونوں بانہیں کھول کے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا اور بے ساختہ بولیں، ”کیسی پیاری بچی ہے۔“

تسلیم نے یہ لاڈ دیکھا تو اپنی اماں کے ایک طرف ہوتے ہی بولی۔ ”تمہاری امی کو پتہ چل گیا نا کہ تم نے پان کھایا ہے تو بہت ڈانٹیں گی۔ تمہارا ہاتھ بھی سرخ ہو گیا ہے۔“

”ارے کیوں ڈانٹیں گی اسے۔ کوئی حرام ہے پان کھانا؟ اور یہ ہاتھ ابھی دھل جائیں گے۔ تو کیوں بچی کے پیچھے پڑی رہتی ہے ہر وقت؟“ اماں نے اپنا چاندی کا پاندان بند کرتے ہوئے تسلیم کو جھڑکا۔

چاندی کا منقش پاندان جس میں کالر اپن اتر آیا تھا۔ شاید زیادہ مانجھنے کی وجہ سے۔ اماں اس پاندان سے محبت کا اظہار بار بار کر چکی تھیں کہ کس طرح نسل در نسل چلتا ہوا یہ پاندان ان کے حصے میں آیا۔ مگر اس کی زکوٰۃ نکالنے کے بارہ میں فکرمند رہتی تھیں۔ آمدنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ نہ معلوم کیا ذرائع آمدن تھے۔ اس بارے میں جاننے کی کہاں کسی کو ان دنوں فکر تھی۔ بچے اپنے کھیل کود میں مست ہوتے تھے۔ سوائے حسن بھائی کے کوئی بھی ان معاملات میں سنجیدہ دکھائی نہ دیتا تھا۔

نازلی باجی کا کام صرف گھر گرہستی تھا۔ بیٹھک میں تسلیم کے ابا اور نانا جان شطرنج کی بساط جمائے بیٹھے رہتے۔ دن میں ایک دو بار حقہ گرم کرنے کے لیے اندر بھجوادیا جاتا تھا۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد شمائلہ باجی حقہ گرم کر کے کسی چھوٹے بھائی کے ہاتھوں اندر بھجوادیتی تھیں جو گھر کے اندر آتے جاتے، کھانا کھاتے، پاخانے جاتے۔ اماں سے پیسے مانگتے۔ سودا سلف لاتے، باہر کی جانب بھاگتے دوڑتے نظر آتے۔ تسلیم بھی گھر گھر کی خاک چھانتی پھرتی اور جب بھی گھر میں داخل ہوتی۔ اماں اسے شرم وحیا دلانے کی ناکام کوشش کرتیں۔ مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ صرف ایک حسن بھائی تھے، جن سے اس کی جان جاتی تھی کیونکہ وہ تو اسے دیکھتے ہی جھانپڑ مارنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

پانچویں کے امتحانات ہو گئے تو چھٹی جماعت میں داخلے کا مرحلہ آیا۔ امی اور خالہ نے طے کیا کہ گرلز اسکول میں دونوں لڑکیاں ساتھ جائیں گی۔ زارا کو تو خوف محسوس ہوا۔ وہ درمیانے قد کی دبلی پتلی نو دس سالہ نفیس سی بچی تھی جب کہ تیرہ برس کی تسلیم کھجور کے درخت کی طرح لمبی نکل گئی تھی۔ ”بے ڈھنگی اونٹ جیسی لڑکی“ حسن بھائی کو اس کی الٹی سیدھی حرکتیں دیکھ کر خوامخواہ تاؤ آیا کرتا۔ اس کا اسکول جانا برقع پوش ہو کر جانے سے مشروط ہو گیا۔

تسلیم کو بے حد غصہ آیا مگر حسن بھائی کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ زارا کی قسمت اچھی کہ دونوں کو علیحدہ کلاسیں ملیں۔ زارا کی جان کسی حد تک تو آزاد ہو گئی۔ مگر حسن بھائی کی پریشانی بدستور رہی۔ اور وہ جب بھی زارا کو گھر میں دیکھتے تسلیم کے سامنے زارا سے پوچھتے کہ کہیں تسلیم اسکول میں اسے تنگ تو نہیں کرتی۔ اس کی چیزیں تو نہیں کھاتی۔ وہ ہر طرح سے تسلی کرنا چاہتے تھے کہ کہیں زارا تسلیم کی کسی بلیک میلنگ میں تو نہیں آرہی۔

اسی اثناء میں حسن بھائی کو کراچی میں ملازمت مل گئی تھی۔ اب حسن بھائی نے کراچی سے مہینے میں ایک بار گھر آنا شروع کیا۔ روڈ سے بجائے سیدھا اپنی گلی کی طرف مڑنے کے، وہ پہلے زارا کی گلی میں آتے دروازے سے چند قدم دور کھڑے ہو کر ”زارا“ آواز لگاتے۔ اور زارا خواہ اوپر چھت پر ہوتی یا نیچے، کمرے، دالان یا آنگن میں حسن بھائی کی آواز سنتے ہی باہر دوڑ جاتی۔ حسن بھائی حسب عادت اسے اپنے دونوں ہاتھ اس کی بغل میں ڈال کر اسے اپنے قد سے اونچا اٹھا کر، دو تین بار جھلاتے، پھر زمین پر کھڑا کر کے۔ کبھی پڑھائی کی بات تو کبھی سکول کی بابت پوچھتے۔ پھر زارا حسن بھائی کی انگلی تھامے، امی کی اجازت سے حسن بھائی کے ساتھ ان کے گھر جایا کرتی جہاں خالہ اسے دیکھ کر نہال ہو اٹھتیں۔

اپنی پہلی تنخواہ پہ حسن بھائی اس کے لیے ایک پنسل بھی خرید کر لائے۔ زارا کو پنسل بہت اچھی لگی اس پر بے شمار ستارے اور چاند چمک رہے تھے۔ اس پنسل کے دوسرے سرے پر ربر بھی لگا ہوا تھا جو زارا نے پہلی بار دیکھا تھا۔ ❁❁❁

یہ اسلام کے ساتھ کیا کر رہے ہو

کنیز بتول نجمہ

یہ کیوں اپنے گھر کو فنا کر رہے ہو
برا کر رہے ہو برا کر رہے ہو
یہ اسلام کے ساتھ کیا کر رہے ہو
برا کر رہے ہو برا کر رہے ہو

محبت کا مکتب ہے میرا محمدؐ
ہے ذات گرامی نصابِ اخوت
بنام محمد جفا کر رہے ہو
برا کر رہے ہو برا کر رہے ہو

ضرورت جلاؤ گھیراؤ کی کیا تھی
محمد کی تعلیم ایسی تو نہ تھی
نبی سے یہ کیسی وفا کر رہے ہو
برا کر رہے ہو برا کر رہے ہو

وہ شفقت سے لوگوں کے دل جیت لیتے
مگر تم ہو نفرت کی تعلیم دیتے
میرے سیدی سے دغا کر رہے ہو
برا کر رہے ہو برا کر رہے ہو

مسیح زمانہ کی تکذیب کر کے
مسلسل لگاتے ہو فتوے کفر کے
خطا پر خطا پر خطا کر رہے ہو
برا کر رہے ہو برا کر رہے ہو

ہے مامور اللہ کا اللہ کی رسی
اسے چھوڑ کر یوں تباہ ہو رہے ہو
کہ ناراض خود پر خدا کر رہے ہو
برا کر رہے ہو برا کر رہے ہو

یوں مہدی کو دیکھو نہ تیوری چڑھا کر
خلافت کے سائے سے دوری بڑھا کر
کیوں اپنی لمبی سزا کر رہے ہو
برا کر رہے ہو برا کر رہے ہو

ہے نجمہ کو یہ آسمان نے بتایا
کہ غلبے کا موسم بس آیا کہ آیا
بہاروں سے خود کو جدا کر رہے ہو

❁❁❁

کیا ترک بھی عورتوں سے نفرت کرتے ہیں؟

تحریر: رابعہ سرفراز چودھری

لباس کے حوالے سے یہ ایک عام تاثر ہے کہ جہاں خواتین کم لباس پہنتی ہوں وہاں ان کو باآسانی بنیادی حقوق ملتے ہوں گے بالخصوص جنسی و گھریلو تشدد نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ جہاں یہ تاثر ہے وہاں پر یہ بات بھی عام ہے کہ جہاں عورتیں سرتاپا لباس پہنتی ہوں وہاں اخلاقی نوعیت کے جرائم نہیں ہوتے۔ یہ دونوں باتیں ہی دروغ اور بددیانتی پر مبنی ہیں۔ روشن خیال اقدار کا تعلق بہت حد تک برابر انسانی حقوق سے ہوتا ہے۔

ترکی میں سیکولرازم ضرور ہے، وہاں کی عورتوں کا لباس مغربی عورتوں کی طرح بھی ضرور ہوگا مگر جہاں بات جنس کی آتی ہے وہاں ترکی کا سیکولرازم بھی جنس کی بحث جیتتا دکھائی نہیں دیتا۔ یہ صرف گزشتہ دو دہائیوں کی کہانی نہیں ہے، ترکی میں جنسی و گھریلو تشدد کے واقعات اسی تسلسل سے رونما ہوتے ہیں جتنے کسی دوسرے مسلمان یا ترقی پذیر ملک میں۔ وہاں بھی لڑکیوں کو غیرت کے نام پر قتل کیا جاتا ہے، زبردستی شادیاں ہوتی ہیں، جنسی اور گھریلو تشدد ایک ہی رفتار سے ہوتا ہے۔

نظام اور معاشرے میں حقوق نسواں کی تحاریک کو لے کر ویسی ہی نفرت اور برابری کے اصولوں میں زن بیزاری کے پہلو واضح جھلکتے ہیں۔ زن بیزاری مشرق ہو یا مغرب، ہرسو پائی جاتی ہے، عورت دشمنی کا تعلق کسی خاص طبقے، خطے، مذہبی و سیاسی نظریات سے نہیں، دنیا کے ہر ملک میں الگ الگ حقوق نسواں کی جدوجہد موجود ہے جس کا تعلق ان خواتین کے بدن پر پڑے پیرہن کی وسعت یا تنگی سے ہرگز نہیں۔

حال ہی میں ترک صدر رجب طیب اردوان نے استنبول کنونشن۔ کی صدارتی حکم کے تحت برخاستگی کا اعلان کیا ہے۔ استنبول کنونشن جو نام سے ترکی سے منسلک ہے، یورپی ممالک کا معاہدہ ہے جو یورپ میں خواتین کو جنسی اور گھریلو تشدد سے تحفظ فراہم کرنے پر مبنی ہے۔ اس معاہدے کے تحت یورپی ممالک کی حکومتیں ایسے قوانین لاگو کرنے کی پابند ہیں جو جنسی و گھریلو تشدد کے خلاف ان ممالک کی خواتین کو تحفظ فراہم کریں۔ حکومتیں خواتین اور بچیوں کے لئے پناہ گاہیں اور تشدد کی مکمل معلومات محفوظ رکھنے کی بھی پابند ہیں۔

جنسی تشدد جو گھر میں ہو یا باہر، ازدواجی زیادتی اور اس جیسے دیگر امور جن کی بنیاد پر خواتین کے خلاف تشدد کی راہ ہموار ہوتی ہے، کی بیخ کنی اور فوری جرائم کی روک تھام ضروری ہے۔ استنبول کنونشن پورے یورپ میں خواتین کو شوہر کی جائیداد میں حق اور تشدد کی شکایات پر گھر کی ملکیت جیسے امور میں خواتین کی حمایت ہے۔ ترک خواتین نے اس معاہدے سے بھرپور فوائد بھی حاصل کیے اور متشدد شوہروں سے پناہ بھی حاصل کی۔ بظاہر یہ عام سی باتیں ہیں جو ہر آئین میں درج ہوا کرتی ہیں مگر ایسا کیا تھا کہ اس معاہدے کو صدارتی حکم نامے کے ذریعے ختم کیا گیا؟

ترکی میں 2021 کے دوران اندراج کیے گئے واقعات میں اب تک ستر سے زائد خواتین شوہروں کے ہاتھوں جان گنوا چکی ہیں۔ یہ اعداد 2020 میں تین سو تھے جبکہ 2019 میں چار سو پچھتر۔ ان سرکاری اعداد کے علاوہ، بہت سی خواتین کی موت قتل کے زمرے سے ملتے جلتے واقعات میں شمار کی گئی۔

پینار گلتکن کو جولائی 2020 میں ان کے ساتھی نے قتل کیا، لاپتہ ہونے کے بعد پینار کی جلی ہوئی لاش کچھ روز بعد جنگل سے دریافت ہوئی۔ اس واقعے نے دنیا بھر میں خواتین کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور قتل کے واقعات پر توجہ مبذول کرائی۔ یہ وہ وقت تھا جب ترکی میں غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل زبان زد عام ہوئے۔

مجھے یاد ہے پینار گلتکن کے قتل کے بعد ہونے والے سیاہ و سفید تصویری چیلنج پر ایک جاننے والے قدامت پرست ترک کے الفاظ کچھ یوں تھے:

"ترکی کو ہر صورت استنبول کنونشن سے دست بردار ہونا چاہیے، اس کنونشن نے عورتوں کو اس قدر حقوق دے دیے ہیں کہ مرد غصے میں پاگل ہو گئے ہیں۔ ایک مرد جو بیوی پر تشدد کرتا ہے، اس سے گھر چھین لیا جاتا ہے اور بیوی کے نام پر منتقل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بوکھلا جاتا ہے، اس لئے مرد اس قدر پاگل ہو گئے ہیں۔ اس قدر پاگل ہو گئے ہیں کہ ایک مرد کے پاس عورت کو قتل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں بچتا۔ مردوں کا غصہ اور عورتوں کا قتل تب ہی رکے گا جب ترکی اس معاہدے پر عمل درآمد کا پابند نہ ہوگا۔"

ترکی میں 2002 میں 66 خواتین اپنے شوہروں کے ہاتھوں قتل ہوئیں، جبکہ 2009 میں یہ تعداد 963 رہی۔ یہ چودہ سو فیصد قتل کی وارداتوں میں اضافہ تھا۔ صدر رجب طیب اردوان کے دور حکومت میں اب تک 6 ہزار 723 عورتیں گھریلو تشدد کے واقعات میں قتل کی گئی ہیں جبکہ اس سے ملتے جلتے سینکڑوں واقعات درج نہ ہو سکے۔ استنبول کنونشن سے اخراج کے صرف چھ گھنٹوں میں بارہ خواتین قتل ہوئیں، جن میں چار کے قتل کی وجہ شوہر/منگیتر سے تعلق ختم کرنا تھا۔

یہ بھی عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بہت سی خواتین پولیس کے پاس قتل ہونے سے پہلے بیسیوں

بارشکایات درج کراتی رہیں جن پر حکام نے کوئی قدم نہ اٹھایا۔مثال کے طور پر ایک متاثرہ خاتون نے ساٹھ بار شوہر کے خلاف شکایت درج کی، جس کو پولیس نے کوئی اہمیت نہ دی۔ بعد میں اسی خاتون کے قتل کا مقدمہ درج ہوا جس میں قاتل اس کا شوہر ثابت ہوا۔ایک اور مقتولہ تیئیس بار شکایت درج کرانے کے بعد قتل کی گئیں،بعد ازاں،ان کے قتل کا مقدمہ بھی اسی شخص کے خلاف درج ہوا جس کے خلاف وہ اپنی زندگی میں شکایت درج کراتی رہیں۔

استنبول کنونشن سے دستبرداری کی بڑی وجہ ترک روایات کی بقاء بھی بتائی گئی ہے۔ان کے بقول اس معاہدے کی بدولت خواتین کو میسر حقوق سے ترک خاندانی روایات کو خطرہ تھا۔ گھریلو تشدد کے باعث عورتیں ایسے شوہروں کو با آسانی طلاق دے سکتی تھیں، قدامت پرستوں کے قریب طلاق کی بڑھتی شرح ترک روایات کے منافی تھی۔

اس کنونشن کے تحت، ریپ کی شکار خواتین کو اسقاط حمل کے محفوظ عمل تک رسائی ممکن تھی۔ یہ بات اہم ہے کہ اسقاط حمل کو روکنے میں معاشرہ ہر طرح کے جتن کرنے کو تیار رہتا ہے، مگر عورت پر ہوتے جنسی تشدد پر روایات اور عزت کی گونج سنائی دیتی ہے۔جبکہ انقرہ کے سابق ناظم ملیح گوکچے نے ریپ کی شکار لڑکیوں کو اسقاط حمل سے پہلے مر جانے کا مشورہ تک دیا۔

سابق نائب ترک وزیر اعظم مہمت سمک یہ بات کہہ چکے ہیں کہ ترکی میں بڑھتی بے روزگاری کی وجہ نوکری کرنے والی خواتین ہیں۔یہ بات بھی واضح رہے کہ قدامت پرست طبقات کی طرف سے سر توڑ کوششیں بھی جاری تھیں کہ گھریلو جنسی تشدد سے نمٹنے والے اس معاہدے سے ترکی کو برخاست کیا جائے۔ترک صدر اور دیگر رہنماؤں کی نظر میں مرد وعورت کی برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،ان کے نزدیک برابری ابھی بھی جسمانی طاقت اور خدوخال تک محیط ہے،ان خیالات کا اظہار خود ترک صدر گزشتہ برس خواتین کنونشن میں کر چکے ہیں۔

یہ بھی المیہ ہے کہ جسمانی طور پر کسی کو زیر کرنا ہی کیوں طاقت تصور ہوتا ہے؟اور زیر کرنا ہی کیوں ضروری ہے؟یہ نکتہ کہ ایک مرد پچاس کلو بوجھ اٹھا سکتا ہے، با آسانی کسی عورت کی کلائی مروڑ کر توڑ سکتا ہے یا بنازور لگائے کسی عورت کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہے، یہی کیوں اس کی طاقت تصور ہوتا ہے؟ کوئی مرد کسی پر تشدد نہ کرے یا کسی عورت کو اپنی ہوس اور انا کا نشانہ بنائے بنا طاقتور تصور کیوں نہیں ہوتا؟

روایات کا زہر آلود تذکرہ دنیا کے کسی بھی معاشرے یا تمدنی حصار میں کیوں نہ ہو، عورت کا لباس پنڈلیوں سے اوپر یا سر تا پا وسیع ہو، روایات اور ” خاندانی “ نظام کا غیر معقول بوجھ عورت کے ان ہی کندھوں پر لاد دیا جاتا ہے جن کو مردوں کی لغت میں کمزور کہہ کر عورت سے جینے کے مساوی حقوق چھینے جاتے ہیں۔اگر آج کے جدید دور میں بھی پدر شاہی کی لغت میں انسانی برابری عورت اور مرد کے پٹھوں اور پنڈلیوں کی ساخت سے حاکم طے کرتے ہوں، وہاں برابری، انصاف، خوشحالی، اور منطق کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ وہاں ایسے ہی بدنیتی کے سناٹے راج کرتے ہیں جہاں روایت کے نام پر اندھیروں کی سعی کی جاتی ہے۔

ایسے معاہدے جو تشدد کی شکار عورتوں کے سرکاری پناہ گاہوں میں قیام اور متشدد شوہروں سے جلد جان خلاصی کی راہ ہموار کریں، جہاں شوہر بیوی اور بچوں کو گھر سے نکالنے کی جسارت نہ کر سکتا ہو، یا عورتوں کے قتل کا وسیع پیمانے پر اندراج اور اس کی بیخ کنی میں سہولت فراہم کریں،ان معاہدوں سے دستبرداری نیتوں کے کھوٹ اور معاشرے میں جبر کے پلڑے کو بھاری رکھنے کی کوششوں کا منہ بولتا ثبوت ہوتے ہیں۔حکومتوں کے ایسے امتیازی اقدام واضح کرتے ہیں کہ آج کے دور میں بھی مردوں کے تشکیل کردہ نظام عورت دشمنی اور تشدد دوستی پر مبنی ہیں۔خواہ وہ دنیا کا کوئی بھی ملک یا نظام ہی کیوں نہ ہو۔جو نظام قاتلوں، ریپ کاروں اور متشدد افراد کو روایات کی چادر میں لپیٹ کر ظلم سے نظریں چراتا ہو،وہاں کے لوگ کتنے ہی مہمان نواز یا مناظر کس قدر دلجو کیوں نہ ہو، جبر کے بدنما داغ سامنے آ کر ہی رہتے ہیں۔

استنبول کنونشن جو ترک خواتین کو دیگر یورپی خواتین کے ہمراہ تشدد سے تحفظ فراہم کرتا ہے، کیسے ترک خاندانی نظام کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے؟بظاہر قدامت پسند رہنماؤں کی جانب سے یہ دلیل دینا کہ ایسا معاہدہ ان کے روایتی نظام کے لئے خطرہ ہے، اس بات کا ثبوت ہے کہ مذہب اور روایات کی آڑ میں ریاست خواتین کے قاتلوں اور ریپ کاروں کو اس نوعیت کے تمام جرائم کرنے کی آزادی دیتے ہیں جس پر ترک خواتین پریشان بھی ہیں اور سراپا احتجاج بھی۔مارچ کا مہینہ عالمی ماہ خواتین کے طور پر منایا گیا اور دنیا بھر میں خواتین اپنی حکومتوں اور ان کی عورت دشمن پالیسیوں سے برسر پیکار ہیں۔

جب فریحہ نامی ترک ڈرامہ پاکستان میں آن ائیر ہوا تو لوگ اس بات پر پریشان ہونے کی بجائے خوش تھے کہ ترکی میں بھی سب پاکستان جیسا ہوتا ہے یعنی ایک لڑکی جو گینگ ریپ کا شکار ہوتی ہے، کو نظام اور سماج بری نظر سے دیکھتے ہیں، اس کو انصاف دلانے میں پولیس رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے۔اپنے حق اور انصاف کے لئے سامنے آنے والی لڑکی کو سب ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور برتاؤ کرتے ہیں۔آپ کا لباس لمبا ہو یا چھوٹا، نظام اگر عورت اور کمزور کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ کبھی بھی مظلوم کی حالت نہیں بدل سکتا۔

اگر روایتی خاندانی نظام عورت کے متشدد شوہروں کے ساتھ رہنے کو اخلاقی اقدار گردانتا ہو تو ایسے نظام سمیت ایسی روایات کو بھی مسمار کرنے میں دیر نہیں لگانی چاہیے۔بچوں کے خلاف زیادتی کو یہ کہہ کر ٹال دیا جائے کہ بچے فقط توجہ کے لئے اول فول باتیں خود سے بناتے ہیں، عورتیں گھر اور کام کرنے والی جگہ پر جنسی ہراسگی اور تشدد کو بے نقاب کریں اور فیصلے انہی کے خلاف آئیں تو نظام اور سماج کی بددیانتی اور بدنیتی واضح ہوتی ہے۔

اگر قانون انسانوں کو برابر سمجھنے سے معذور ہو تو قانون بدلنے پڑتے ہیں، ایک کامیاب ریاست کے اسلوب بھی انسانوں کو مساوی اور باعزت سمجھنا اہم ہوتا ہے وگرنہ یہ اخلاقی اقدار نفسیاتی ڈھکوسلے اور جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

❁❁❁

تاریخ کے جھروکوں سے

ثاقب زیروی کے ہفت روزہ ''لاہور'' کی کہانی

آج کچھ دل میں میرے درد سا ہوتا ہے۔ کیوں نہ مختصراً ''لاہور'' کی کہانی ہی لکھ دی جائے۔ جس پر گزشتہ پچاس سالوں میں ایسے وقت بھی آئے کہ مالیاتی کمزوری دیکھ کر ساتویں دن کی بجائے پندرھویں دن اِکٹھا پرچہ نکالنے کا قصد کیا۔ مگر اُس مسبب الاسباب نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ ''لاہور'' کو پہلے چار پانچ سال اشتہارات ملتے رہے اس کے بعد بند ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم امورِ مملکت کو مقتدرین کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ بھٹو صاحب کے دور میں مصائب کا آغاز ہوا اور اب تک جاری ہے۔ ''تحفظ ختمِ نبوت'' والے بھٹو صاحب پر سوار تھے راؤ رشید (انسپکٹر جنرل پولیس کے دور میں ان کے عزیز راؤ عبدالمنان آف سرگودھا کی) بھٹو صاحب سے ہاٹ لائن پر گفتگو ہوتی تھی۔ ان سے ''لاہور'' کے پرنٹر (ثاقب زیروی) اور پبلشر م۔ش (محمد شفیع میاں) کے خلاف سرگودھا کے ایک مجسٹریٹ صاحب کی عدالت میں ''ازالہ حیثیت عرفی'' کا کیس دائر کروایا گیا۔ جس میں آؤ دیکھا نہ تاؤ مجسٹریٹ صاحب نے سمن اور وارنٹ بھجوانے کی بجائے ''وارنٹ گرفتاری'' جاری کر دیئے کیونکہ بھٹو صاحب اس کیس میں دلچسپی لے رہے تھے جو ہمیں ہائیکورٹ سے معطل کرانے پڑے۔ جب سرگودھا کے کیس میں ہزیمت فاش اٹھائی تو ''ڈیفنس آف پاکستان رولز'' لگا دیئے جن دو مقدمات میں 25 سال کی سزا تھی۔ ہم ابھی ضمانت قبل از گرفتاری کے لیے ہائیکورٹ کا دروازہ کھٹکھٹا ہی رہے تھے کہ مارشل لاء لگ گیا۔ ''ڈی پی آر'' کا کیس ختم ہو گیا اور جنرل ضیاء الحق آ گئے۔ جنرل ضیاء الحق نے نہ صرف اشتہارات بند کیے۔ نیوز پرنٹ کا کوٹہ بند کیا۔ ٹی وی ریڈیو پر میرے لیے چٹخنیاں چڑھا دیں پبلک مشاعرے تک بند کر دیئے۔ ''جماعت احمدیہ'' کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے بعد اہلِ صحافت نے یہ کرم فرمائی کی کہ ''لاہور'' کو قادیانی ہفت روزہ لکھنا شروع کیا۔ حالانکہ مَیں قادیان کا رہنے والا نہیں اور نہ ''لاہور'' جماعت ہی کا پرچہ ہے۔ نواز شریف صاحب سے پانچ کریمنل کیس بنوائے۔ جب ''ان کیسز'' میں بریت ہی ہوئی تو نواز شریف صاحب نے ڈیکلریشن کی منسوخی کا آرڈر ڈپٹی کمشنر صاحب کو بھیج دیا جو ساڑھے چار سال تک چلتا رہا۔ حتیٰ کہ جنرل ضیاء اپنے تیس جرنیلوں سمیت ''عذاب النار'' کی نذر ہو گئے۔ اور ہماری جان چھوٹ گئی۔ ہم نے تین ہزار کے سرمائے سے پرچہ نکالا تھا اس لیے ابتدائی چند سالوں میں تو حالت سخت ناگفتہ بہ رہی۔ لاہور کے نمائندہ خصوصی کراچی میں ''یوزیڈ تاثیر'' تھے۔ آخر وقت میں ریٹائرمنٹ کے بعد تو ان کی مالی حالت بہت ہی بہتر ہو گئی تھی۔ وہ ''مسرت ڈائجسٹ'' کے ایڈیٹر تھے ''اپنا گھر'' کے ایڈیٹر تھے۔ سندھ گورنمنٹ ایمپلائز ایسوسی ایشن کے سیکرٹری جنرل تھے۔ ہر مہینے میں کم از کم دس دن بیرونی ملکوں میں گزارتے تھے۔ وہ ''لاہور'' کی کچھ رقم صرف کر بیٹھے۔ ان سے دوستی بھی تھی بلکہ استادی وشاگردی کا رشتہ تھا۔ انہیں لکھ نہیں سکتا تھا۔ مگر ''لاہور'' کی حالت پتلی تھی۔ جب صورت حال کچھ زیادہ ہی خراب ہو گئی تو میں نے منشی لال دین (کاتب) سے کہا کہ کیوں نہ اس دفعہ ناغہ کریں اور ایک کاپی بڑھا کر پندرہ دنوں کے بعد اکٹھا پرچہ شائع کر دیں۔ مگر وہ قدرے متذبذب تھے کہ شاید مسبب الاسباب کوئی صورت بنا دے۔ ایسے لمحے تو ہم پر کئی دفعہ آئے ہیں۔ اور مَیں نے بھی آستانہ الوہیت پر سر رکھ دیا۔ اگلے دن کچھ مصروفیت تھی جب مَیں دفتر میں پہنچا تو منشی جی نے بتایا کہ ایک ڈاکیا منی آرڈر لے کر آیا تھا۔ مگر آپ نہیں تھے۔ اور وہ مجھے دے نہیں رہا تھا۔ ابھی ہم بات ہی کر رہے تھے کہ ڈاکیا پھر آ گیا۔ سات سو کا ''ٹی ایم او'' لے کر جو تاثیر صاحب نے بھیجا تھا۔ مَیں نے الحمدللہ پڑھ کر تاثیر صاحب کو فوراً خط لکھا کہ ''شاید آپ نے واجب الادا رقم ادا کی ہو مگر حقیقت میں احسان فرمایا کہ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ ہم ہفت روزہ کی بجائے پندرھویں دن پر چہ شائع کرنے کا سوچ رہے تھے۔'' اور میرا خط ملنے کے بعد انہوں نے ''ٹی ایم او ہی کے ذریعے تین سو اور بھجوا دیئے'' اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ جو وقت پر کام آئے وہی اصل دوست ہوتا ہے۔ (تجربات جو ہیں امانت حیات کی)

خواتین ڈائجسٹ

خاتم الانبیاءؐ

(ثاقب زیروی)

تُو حبیب ربّ کریم ہے تُو عجیب دُرِّ یتیم ہے
تیرے وصف کیسے بیاں کروں تُو جہاں میں سب سے عظیم ہے
تُو وجودِ حق کی دلیل ہے تُو دعائے قلبِ خلیل ہے
تیری ذات خاتَمِ انبیاء تیرا نُور سب سے قدیم ہے
تُو جمالِ حق کا ہے آئینہ تُو حریمِ راز کا آشنا
تُو کلی کلی کی ہے آرزو تُو چمن چمَن کی نسیم ہے
مِری شاعری کا ظہور تُو میرے علم و فن کا شعور تُو
تیری آرزو مِری زندگی تُو ہی میری عقلِ سلیم ہے
تُو نے بے کسوں کو دوائیں دیں تُو نے دشمنوں کو دعائیں دیں
تُو کرم کا ایک سحاب ہے۔ تیرا خُلق خلق عظیم ہے
تیری بات بات ہے معتبر' تیرا ہاتھ نبضِ حیات پر
تُو ہر ایک جان کا طبیب ہے تُو ہر ایک دل کا حکیم ہے
تُو نظر سے کتنا ہی دُور ہو' میرے قلب سے ہے قریب تر
تیرا ذکر مرہمِ قلب و جاں' تیری یاد بوئے شمیم ہے
نہیں فکر ثاقبِ بے نوا' جو کہے زمانہ بُرا بَھلا
تُو اُسی کا ہے تُو اُسی کا تھا وہ جو رحمتوں کا قسیم ہے

صدارتی ایوارڈ حاصل کرنے والی سوات کی تبسم عدنان کون ہیں؟

تحریر: انیلا خالد

تبسم عدنان کہتی ہیں کہ گذشتہ دس سالوں میں انہوں نے سوات میں خواتین کے حقوق کے لیے ناموافق حالات ومسائل کے باوجود کام کیا، یہی وجہ تھی کہ بین الاقوامی سطح پر ان کی کوششوں کو سراہا گیا۔

رواں سال یوم پاکستان کے موقع پر ایوان صدر میں منعقدہ تقریب کے دوران صدر پاکستان عارف علوی نے جن مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں کارکردگی دکھانے والوں کو ایوارڈ سے نوازا ان میں صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع سوات سے تعلق رکھنے والی تبسم عدنان بھی تھیں۔ تبسم عدنان نے اس موقع پر کہا کہ 'دنیا کی سطح پر بہت پہچان ملی لیکن ایک خواہش تھی کہ میرے اپنے ملک میں میری اس جدوجہد کا احساس ہو جو میں کر رہی ہوں۔'

تبسم عدنان نے انڈپینڈنٹ اردو کے ساتھ ایک تفصیلی انٹرویو کے دوران کہا کہ پچھلے دس سالوں میں انہوں نے ضلع سوات میں خواتین کی فلاح و بہبود اور حقوق کے لیے باوجود ناموافق حالات ومسائل کے کام کیا، یہی وجہ تھی کہ بین الاقوامی سطح پر ان کی کوششوں کو سراہا گیا، لیکن اپنے ملک میں انہیں کسی قسم کی حوصلہ افزائی نہیں ملی۔ ان کی جدوجہد کا باب اس وقت شروع ہوتا ہے جب 2011 میں مالی مسائل اور گھریلو زندگی کی پریشانیوں سے تنگ آ کر انہوں نے خواتین کی صحت پر کام کرنے والے ایک غیر سرکاری ادارے میں شمولیت اختیار کی۔ 'اس دوران مجھے خواتین کے مسائل کو قریب سے جاننے کا موقع ملا۔ اور ہر گزرتے دن کے ساتھ میں اپنے مسائل کو بھول کر دیگر خواتین کے مسائل میں دلچسپی لینے لگی۔ یہی وہ وقت تھا جب مجھے لگا کہ سوات کی خواتین کے لیے ایک ایسا پلیٹ فارم ہونا چاہیے کہ وہ ایک جگہ پر اکھٹی ہو کر اپنے مسائل اور معاملات پر بات کریں۔' خواتین کے مسائل کے حل کے لیے جب تبسم عدنان کی سربراہی میں خیبر پختونخوا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ خواتین نے جرگہ کرنا شروع کیا تو مقامی سطح پر ان کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

'لوگ ہمارا مذاق اڑانے لگے اور کہا کہ یہاں تو مردوں کے جرگے کی کوئی اہمیت نہیں تو خواتین کے جرگوں کو کون مانے گا۔ بعض نے تو مخالفت میں آن ریکارڈ یہاں تک کہا کہ ایسی خواتین کے سر ڈنڈوں سے مارنے چاہئیں۔ ہمیں بدچلن اور آوارہ کہا گیا۔ ایک جانی پہچانی خاتون شخصیت نے ہماری کاوشوں کو ایک ڈرامہ قرار دیا اور کہا کہ یہ سب مشہور ہونے کے لیے کیا جا رہا ہے۔'

تبسم عدنان کے مطابق، مخالفت نے ان کے ارادوں کو مزید پختہ کیا اور انہوں نے 2013 میں یہ اعلان کیا کہ وہ 'دخویندو جرگہ' (بہنوں کا جرگہ) کے نام سے ایک تنظیم بنا کر آگے بڑھیں گی۔ 'میں نے ضد میں آ کر یہ نام رکھا تا کہ سب کو بتا سکوں کہ خواتین بھی جرگہ کر سکتی ہیں اور اس کا حصہ بن سکتی ہیں۔ ہم نے اپر اور لوئر سوات کے مختلف دور افتادہ علاقوں میں خواتین کے 25 گروپ بنائے جو آج بھی 'خویندو جرگہ' کی چھتری تلے کام کر رہے ہیں اور خواتین کے مسائل حل کر رہے ہیں۔' تبسم کا کہنا ہے کہ یہ ان کی کامیابی ہے کہ سالوں پہلے خواتین کے جس جرگے کی مخالفت ہو رہی تھی وہاں اب اکثر مرد حضرات بھی اپنے مسائل لے کر آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ 'دخویندو جرگہ' میں وراثت، ٹریفیکنگ، سوارا، قتل، خودکشی، ہراسانی، تشدد اور دیگر ہر اس مسئلے کو دیکھا جاتا ہے جس کا کسی خاتون کو سامنا ہو۔ اسی تناظر میں تبسم نے ایک قصہ یاد کرنے کی کوشش کی جس کے مطابق ایک نوجوان خاتون کی شوہر نے ناک کاٹ دی تھی۔ تبسم کی کوششوں اور ایسڈ سروائیور فاؤنڈیشن کے تعاون سے خاتون کی دوبارہ ناک لگوائی گئی۔

'ہم نے ایک ایسی شادی شدہ خاتین کو بھی بچایا تھا جن کو والدین شیر خوار بچی سمیت بیچ رہے تھے۔ تاہم ہماری بروقت مداخلت سے ماں اور بچی دونوں کو بچا لیا گیا۔' تبسم عدنان کا کہنا ہے کہ حاسدین اور خواتین کے حقوق کی مخالفت کرنے والوں نے ان کے خلاف ایسا پروپیگنڈہ کیا کہ سوات میں کسی بینک نے ان کے ادارے کا اکاؤنٹ کھولنا قبول نہیں کیا۔ 'شروع میں مختلف اداروں نے ہمیں فنڈنگ کی لیکن اب اکاونٹ نہ ہونے کی صورت میں کوئی فنڈ دینے کو تیار نہیں ہے جب کہ اکاونٹ کھولنے کے لیے آج کل جتنی رقم درکار ہوتی ہے اتنی میری استطاعت نہیں ہے۔ اب میں اور میرے 25 گروپس کی لیڈر خواتین اپنی مدد آپ کے تحت کام کر رہی ہیں۔' تبسم عدنان کے مطابق، جب انہیں بین الاقوامی سطح پر پہچان ملی اور انہیں ایوارڈ سے نوازا گیا تو ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوا اور انہیں آئے دن دھمکیوں کی کال موصول ہونے لگی۔

'مجھے آج بھی ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے اور اس کام سے روکا جا رہا ہے جو دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے جائز ہے۔ ایک خاتون کی مصیبت میں مدد کرنا اور اس کو رہنمائی فراہم کرنا کس مذہب اور قانون میں منع ہے؟ یہی وجہ ہے کہ میں بضد ہوں اور اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہوں۔' تبسم عدنان کو پہلی مرتبہ 2014 میں نیدرلینڈز کی حکومت کی جانب سے 'ہیومن رائٹس ڈیفنڈر' کا ایوارڈ ملا۔ 2015 میں انہیں امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے 'انٹرنیشنل ویمن آف کریج' کا ایوارڈ ملا۔ جب کہ 2016 میں انہیں نیلسن منڈیلا ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔

ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ یوم پاکستان تقریب کے اختتام کے بعد کئی خواتین فنکاراؤں اور شخصیات نے ان کے ساتھ مستقبل میں کام کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تاہم انہوں نے کہا کہ تاحال انہیں کسی قسم کی سرکاری سرپرستی میں کام جاری رکھنے کے لیے کوئی پیشکش نہیں ہوئی ہے۔ ❁❁❁

انسانی دماغ پہلی بار بغیر تار کے کمپیوٹر سے منسلک

سائنس دانوں نے کلینیکل ٹرائل میں ایک چھوٹا ٹرانسمیٹر استعمال کیا جو اسے کسی شخص کے برین موٹر کارٹیکس سے جوڑ دیتا ہے۔

سائنس دانوں نے پہلی بار کسی تار کے بغیر کمپیوٹر کو انسانی دماغ سے کمانڈ دینے کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ ایک ایسی پیش رفت ہے جو فالج کے شکار افراد کے لیے امید کی کرن بن سکتی ہے۔ امریکہ میں براؤن یونیورسٹی کے محققین کا کہنا ہے کہ یہ نظام 'سنگل نیورون ریزولوشن اور مکمل براڈ بینڈ فیڈیلیٹی' کے ذریعے دماغ سے سگنل کو کمپیوٹر تک منتقل کرنے کے قابل بناتا ہے۔

اسے 'برین گیٹ ٹیکنالوجی' کا نام دیا گیا ہے جس کے کلینیکل ٹرائل میں ایک چھوٹا ٹرانسمیٹر استعمال کیا گیا جو اسے کسی شخص کے برین موٹر کارٹیکس سے جوڑ دیتا ہے۔ سائنسی جریدے 'آئی ای ای ای ٹرانزیکشنز آن بائیو میڈیکل انجینیئرنگ' کی رپورٹ کے مطابق فالج کے مرض میں مبتلا افراد پر مشتمل شرکاء نے آزمائشی طور پر اس نظام کا استعمال ٹیبلٹ کمپیوٹر کو کنٹرول کرنے کے لیے کیا۔

ٹرائل کے دوران شرکاء اسی طرح کی ٹائپنگ سپیڈ اور پوائنٹ اینڈ کلک کی درستگی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جتنا وہ اسے وائرڈ سسٹم کے ذریعے کر سکتے تھے۔

براؤن یونیورسٹی میں انجینیئرنگ کے ایک اسسٹنٹ پروفیسر جان سمیرال نے کہا: 'ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ وائرلیس نظام عملی طور پر گولڈ سٹینڈرڈ والے وائرڈ سسٹمز کے مساوی کام کرتا ہے۔'

انہوں نے مزید کہا: 'سگنلز کو اسی طرح درست فیڈیلٹی کے ساتھ ریکارڈ کیا اور منتقل کیا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ہم وہی ڈی کوڈنگ الگورتھم استعمال کر سکتے ہیں جن کا استعمال ہم وائرڈ آلات کے ساتھ کرتے ہیں۔

'فرق صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو اب ہمارے آلات سے جوڑنے کے لیے تار کی ضرورت نہیں اور یہی خوبی اس نظام کے استعمال کے سلسلے میں نئے امکانات کھول دیتی ہے۔' یہ نیورل انٹرفیس ٹیکنالوجیز کی تیزی سے بڑھتی ہوئی فیلڈ میں جدید ترین پیش رفت کی نشاندہی کرتا ہے جس نے ایلون مسک اور فیس بک جیسی دیو قامت کمپنیوں اور ارب پتی شخصیات کو اپنی جانب راغب کیا۔

ایلون مسک نے حال ہی میں انکشاف کیا کہ ان کے 'نیورلنک' سٹارٹ اپ نے پہلے ہی ایک بندر کے دماغ پر وائرلیس چپ کا تجربہ کیا ہے جس کی مدد سے وہ ویڈیو گیمز کھیل سکتا ہے۔

تازہ ترین ٹرائل کے دو شرکاء، جن کی عمریں 35 اور 63 تھیں، وہ ریڑھ کی ہڈی کی چوٹوں سے مفلوج تھے۔ انہوں نے لیبارٹری کی بجائے گھر پر رہتے ہوئے 24 گھنٹے تک مسلسل وائرلیس سسٹم کا استعمال کیا۔ نسبتاً آسانی سے استعمال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تربیت یافتہ ماہرین وائرلیس کنکشن گھروں میں قائم کرنے کے قابل تھے، اس سے کرونا وبا کے دوران بھی یہ مطالعہ جاری رہ سکتا ہے۔

براؤن یونیورسٹی کے انجینیئرنگ پروفیسر اور برین گیٹ کلینیکل ٹرائل کی سربراہی کرنے والے محقق لی ہچ برگ کا کہنا ہے کہ 'اس سسٹم کی مدد سے ہم لمبے عرصے تک گھر میں دماغی سرگرمی کا اس طرح مطالعہ کر سکتے ہیں جو اس سے پہلے تقریباً نا ممکن تھا۔

'اس سے ہمیں ڈی کوڈنگ کرنے والے الگورتھم ڈیزائن کرنے میں مدد ملے گی جس سے فالج کے شکار افراد کے لیے ہموار، فطری، قابل اعتماد مواصلات کی بحالی اور نقل و حرکت کی سہولت فراہم کی جا سکے گی۔'

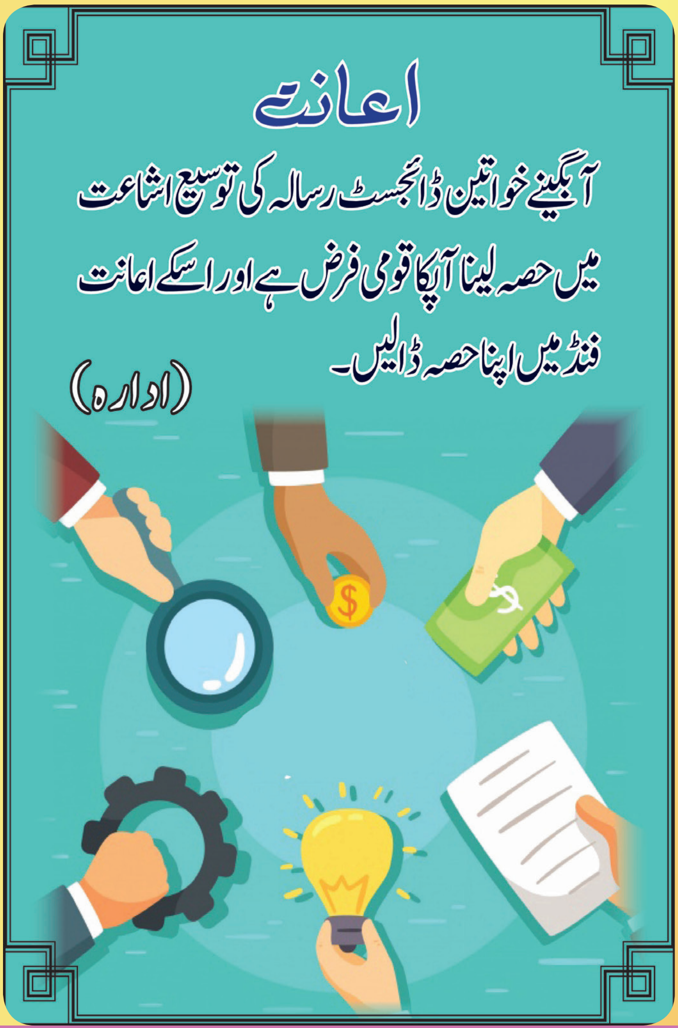

کھلی جو آنکھ تو بدلا ہوا زمانہ تھا

تحریر: خنساء رفعت (انگلینڈ)

"چلیں وائفی... ہوگئی تسلی... بلاوجہ پریشان ہوجاتی ہیں... کچھ بھی نہیں تھا... فالس الارم ... اتنی جلدی آپ کی جان نہیں چھوٹنے والی... اب توباری آئی ہے آپ سے لاڈ اٹھوانے کی ..." ھشام بولنے پہ آتے تو بولے جاتے... اور میں انہیں محبت سے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں خدا کا شکرادا کر رہی تھی... مجھے ھشام کی زندگی میں آئے 26 سال ہو گئے تھے... ان گزرے سالوں میں چار بچوں کی پیدائش سے لے کے ان کے اپنی عملی زندگیوں میں قدم رکھنے تک وقت جیسے پر لگا کے اڑ گیا... بچے کاموں کے سلسلے میں کچھ ملک سے باہر اور کچھ ملک میں ہی دوسرے شہروں میں بس گئے اور ہم نے بھی اپنے پرندوں کو کھلا آسمان دے دیا... اب اپنے آشیانے میں میں تھی اور ھشام... بس ایک دوسرے میں مصروف... بچے تھوڑے تھوڑے عرصے میں باقاعدہ طور پر آتے اور رونقیں لگاتے... اور ہم دونوں مالک کی ان نعمتوں پہ شکر گزار ہوتے...!!!!!!!! "بس کریں ھشام... خدا نہ کرے... کیسی باتیں کرتے ہیں..." میں بولی... "شکر ہے گیسٹرک پرابلم تھی... لیکن اچھا ہوا سب چیک اپ ہو گیا" ... میں نے ڈاکٹر کو شکریہ ادا کیا اور کمرے سے نکلتے ہوئے کہا... ہسپتال کے کوریڈور سے گزرتے ہوئے بھی ھشام چٹکلے سناتے رہے اور میں مسکراتی انہیں دیکھتی رہی اور دل میں ان کی لمبی عمر کی دعا کرتی رہی... میں خوش قسمت تھی کہ خدا نے کس کمال کے بذلہ سنج اور زندہ دل انسان کو میرا نصیب بنایا... کوریڈور میں بیٹھے ایک شخص نے ہماری آوازیں سن کے سر اٹھایا... جیسے ہی میری نظر اس پہ پڑی... وہ لمحہ جیسے رک سا گیا... میرے لئے... یا!!!!... یا شاید سب کے لیے... ساکت، منجمد، برف سا سرد لمحہ... میرے گلے میں آواز، میرے کانوں کی سنوائی اور پیروں کی حرکت بیک وقت رک گئی... میں ھشام کو دیکھتے ہوئے بس اتنا کہہ سکی... " یہ... یہ اظفر... جس کے پپڑی جمے ہونٹ اس کی پیاس کی نشاندہی کر رہے تھے... بنا استری کے اس کے کپڑے صاف تو تھے مگر حلیہ ملگجا تھا... یہ وہی تھا جو گھنٹوں آئینے کے سامنے خود کو سنوارا کرتا... جو کپڑوں پہ ایک شکن برداشت نہ کرتا... میں نے اسے شاید 25، 24 سال کے بعد دیکھا تھا... اس کے خشک ہونٹ... برکھا کو ترسی سوکھی مٹی کی طرح... پتہ نہیں کب سے پانی کے متلاشی تھے... وہ تو کبھی روزہ رکھ لیتا تو اس کی حالت اتنی عجیب ہوجاتی کہ سارا خاندان بولایا پھرتا کہ اظفر بھوکا، پیاسا ہے... میں ایسے ساکت کھڑی تھی جیسے اس وقت دنیا میں صرف میں تھی اور میرے سامنے ساری دنیا کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھنے والا ہمارے پورے خاندان کا لاڈلا... وہ ایک ایسے مسافر کی طرح بیٹھا تھا جس کی منزل تو منزل راستہ بھی اس سے اوجھل ہو چکا ہو... میں بچپن میں ٹورناڈوز سے بہت ڈرا کرتی تھی... ایک بار باباجانی کے ساتھ نیشنل جیوگرافک پہ ڈاکومنٹری دیکھنے کے بعد اتنی خوفزدہ ہوئی... کہ یہ اعلان ہی کر ڈالا کہ کبھی امریکہ نہیں جاؤں گی کیونکہ وہاں ٹورناڈوز آتے ہیں... مجھے ٹورناڈوز کے بعد اس شہر کی حالت سے بہت وحشت ہوتی... ایسے جیسے کسی دیو نے کسی شہر میں شہزادی نہ ملنے کی سزا دیتے ہوئے سارا شہر اپنے دونوں ہاتھوں سے مسل دیا ہو... آج اظفر کی حالت بھی مجھے ٹورناڈو سے برباد ہوئے ہوئے شہر کی مانند لگی جسے زندگی کے تھپیڑوں کی اٹھا پٹخ نے بالکل توڑ پھوڑ دیا ہو... اظفر نے نظریں اٹھائیں... اس کی نظروں میں جانے کیا تھا میں اس احساس کو کوئی نام نہ دے پائی... بنجر، سنسان... قبرستان سی آنکھیں... اس کی آنکھوں میں ہمیں دیکھ کے پہچان ابھری... ایسے لگا جیسے برسوں کی خشک زمین پہ بارش پڑے تو کچھ دیر کو دھول اڑنے لگتی ہے... کچھ دیر کو ایسی ہی دھول اس کی آنکھوں میں اٹھی پھر دھول نمی میں بدلنے لگی جیسے سوکھی زمین نے آخر کار پانی کو قبول کر لیا ہو... اظفر اور نم آنکھیں ناقابل یقین سی بات تھی... اس کی حالت دیکھ کے میری آنکھوں کے آگے مما، نانو، ماموں، اگا جی (ناناجان کو ہم اگا جی بلاتے تھے) سب کے چہرے ابھرنے لگے... میرے حلق میں میرے سب احساسات جن میں دکھ، غصہ، خوشی اور پتہ نہیں کیا تھا... ایک گولے کی طرح پھنس گئے... بڑی تگ و دو کے بعد بھی بات صرف سلام دعا تک ہی ہو پائی... ھشام اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس کا احوال پوچھنے لگے... اسے پیٹ کے شدید درد کے باعث اس کا ایک کولیگ ہسپتال لایا تھا... ڈاکٹر نے کچھ مزید ٹسٹ کہے تھے جن کو کروانے کے انتظار میں تھا... اس نے بتایا کہ اس کا کولیگ اس کے لئے کینٹین سے کچھ لینے گیا ہے... ھشام نے اسے ہمارے ساتھ ٹھہرنے کی آفر کی لیکن اس نے کہا کہ وہ کچھ بہتر ہو گا تو گھر آئے گا اور ہمارے ساتھ وقت گزارے گا... ھشام نے اسے اپنا نمبر دیا اور اسکی یقین دہانی پر کہ وہ خود کو سنبھال لے گا... ہم دونوں نے اس سے اجازت لی... ہسپتال سے گھر تک میں بالکل خاموش تھی... بار بار اظفر کا چہرہ میری نظروں کے سامنے آجاتا... وہ کچھ اچھی حالت میں نہ تھا... اس کی آنکھیں خوشی سے عاری ویران سی تھیں... اس کے دل کا صحن کسی اپنے کے ملن کی پھوار کو اس قدر ترسا ہوا تھا کہ اگلے ہی دن اس کا فون آ گیا... اور کچھ ہی دیر بعد وہ ہمارے ڈرائنگ روم میں ھشام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا... ھشام جیسے

خوش مزاج انسان کے ساتھ بیٹھ کر بھی وہ صرف اپنی خالی آنکھوں سے مسکراتا رہا.. اس کی باتوں سے پتا چلا کہ اس کے دونوں بچے امریکہ جا بسے اور اظفر کی بیوی نے بھی وہیں ٹھکانہ کرنے کو فوقیت دی... اب اظفر یہاں بالکل تنہا رہ رہا تھا........ وہ صرف ظاہری طور پر تنہا نہیں تھا بلکہ اس کی شخصیت میں ایک خالی پن تھا جو چیخ چیخ کر یہ بتا رہا تھا کہ اپنوں کی جن محبتوں کو وہ دونوں ہاتھوں سے وصول کرتا رہا تھا اپنے نئے رشتوں کو وہ محبتیں دینے کے باوجود وہ تنہا رہ گیا تھا... اس کی آنکھوں میں جیسے اکاجی ،نانو، ماموں اور ممانی سب کی تنہائی یکجا ہو گئی تھی... جن کی خاطر اتنی محبتوں سے ہاتھ چھڑا کے ایک نئے سفر کو نکلا تھا وہ نئے ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ کر کب کے دور جا چکے تھے... مجھے اس پہ ترس بھی آیا اور غصہ بھی... لیکن میں خاموش رہی... وہ آ کر جا چکا تھا لیکن میں پھر بھی خاموش تھی... ہشام میری ہر خاموشی کو سن لیا کرتے تھے... میری ہمیشہ سے یہ عادت تھی جب میں بہت دکھی ہوتی تو کسی جگہ خاموش، تنہا بیٹھ جاتی... آج بھی اظفر کے جانے کے بعد میں سٹڈی میں چلی آئی... اور ہشام میری اس عادت سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے انہوں نے مجھے اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی کافی کا مگ تھمایا اور مجھے خود سے ملنے کا وقت دیتے ہوئے وہاں سے چلے گئے... اور میں یادوں کے ساغر میں ڈوبتی چلی گئی...

"مماّمما!!!! میں رزلٹ کارڈ لئے بھاگتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی... دیکھیں میری فرسٹ ڈویژن آئی ہے" میرا ایف اے کا رزلٹ آیا تھا جسے دیکھ کے سب گھر والوں کی خوشی دیدنی تھی... ممانے بلائیں لیں اور بابا جانی کی تو میں ویسے ہی جان تھی ان کی تو خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا... ... میں اکاجی کو بتا کے آتی ہوں... ناناجان کا گھر ہمارے گھر کے بالکل سامنے تھا ... مما اور ماموں دو ہی بہن بھائی تھے... اور ہر بہن کی طرح مما کو بھی اپنے ماں جائے سے بے پناہ محبت تھی... بابا جانی جب اپنا گھر بنوانے لگے تو مما کی خواہش پہ انہوں نے اکاجی کے بالکل سامنے گھر بنوا لیا... مما کو ان کی محبتوں کے قریب رکھنے کو ترجیح دی اس پر مما بابا جانی کی بہت قدر کرتیں... "اکاجی، نانو میرا رزلٹ آ گیا" میں خوشی سے شور مچاتی اندر داخل ہوئی... : "فیل ہونے پہ اتنی خوشی" دروازے پہ کھڑا اظفر بولا... میری خوشی کو مٹی میں ملانے کا کوئی مقابلہ ہوتا تو اظفر پہلے نمبر پہ آتا... میں اسے نظر انداز کرتی ہوئی اندر چلی آئی وہاں سب شام کی چائے پی رہے تھے اکاجی، نانو، ماموں، ممانی نے مجھے گلے سے لگایا... مبارکباد دی اور انعام بھی... میں خوشی سے اترا رہی تھی سب کا پیار دیکھ کے اظفر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا... وہ اپنے علاوہ کسی اور کو پیار ملتا برداشت نہیں کر پاتا تھا... اظفر ماموں کی اکلوتی اولاد... سب کی آنکھ کا تارا... اگر نانو اور اکاجی کو اصل سے سود پیارا تھا تو اس کے ماں باپ یعنی میرے ماموں اور ممانی کے وہ دل کا ٹکڑا تھا... مما کو بھی اپنے ماں جائے کی اولاد سے بے تحاشا محبت تھی... یہاں تک کہ کبھی کبھی مجھے لگتا مما شاید مجھ سے زیادہ اسے چاہتی ہیں... اور شاید اسی لئے میں اس سے چڑنے لگی لیکن گزرتے سمے نے یہ احساس دلایا کہ میری اس چڑ کی وجہ دراصل اس کا بے حد خود غرض ہونا تھا... وہ خود کے سوا کسی کی بھی پرواہ نہ کرتا... مگر اپنی تمام خود غرضیوں کے باوجود اظفر وہ طوطا تھا جس میں سب کی جان تھی... ہوتی بھی کیوں نا... اکاجی کا اکلوتا پوتا شہزادوں جیسی آن بان والا... تعلیمی میدان میں بھی نمایاں... بزنس میں ہاتھ ڈالا تو ڈھیروں کامیابی حاصل کی... ایسا پارس جسے چھو لے سونا کر دے... ایک کمپلیٹ پیکیج... سب اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے... لیکن اس سب نے اسے اکھڑ بنا دیا... وہ محبتیں لیتے لیتے صرف لینے کا عادی بن گیا... محبت دینے کی کوشش بھی نہ کرتا... انہیں بھی نہیں جن کے سانس اس کی موجودگی اور خوشی سے جڑے ہوئے تھے... مجھے وہ دن یاد آیا جب اس کی MBA کی ڈگری حاصل کرنے کی خوشی میں اکاجی نے کئی دن تک خوشی منائی... ماموں اور ممانی کی آنکھوں میں اب اپنے شہزادے کے سر پہ سہرا دیکھنے کے سپنے مچلنے لگے تھے... اس سے پہلے کہ اس کے لئے کسی شہزادی پہ آنکھ ٹھہرتی اس نے اپنی پسند سے سب کو آگاہ کرتے ہوئے شادی کا فیصلہ سنا دیا..... اس کے بزنس سرکل میں ایک بڑے بزنس مین کی بیٹی اسے بھا گئی تھی... ماموں کو وہ لوگ پسند نہیں تھے لیکن اپنے لاڈلے کی خوشی کے آگے اپنی ناپسندیدگی کو پس پشت ڈالتے ہوئے وہ اظفر کی پسند کو بڑی دھوم دھام سے بیاہ لائے... لیکن بہورانی کو فیملی کے ساتھ رہنا پسند نہ تھا سو اظفر نے تمام رشتوں کو، تمام محبتوں کو یکسر فراموش کر ڈالا... اکاجی، نانو، ماموں، ممانی جو اس کو دیکھ دیکھ جیتے تھے ان کی زندگی میں اداسی اور ویرانی نے جیسے مستقل ڈیرہ جما لیا... اظفر ان سے مہینوں نہ ملتا اور اس کی بدمزاج بیوی کو اس کے ماں باپ کا اس سے ملنے آنا بھی نہ بھاتا ... شروع شروع میں ممانی ممتا کے ہاتھوں مجبور ملنے چلی جاتیں لیکن اظفر کی بیوی کی بلا کی سردمہری نے ان کی ہمت بھی توڑ دی... وہ ہر عید تہوار پہ اظفر کی راہ تکتے مگر ہر بار آنکھیں اس کی جانب سے مایوس لوٹ آتیں... میری شادی پہ بھی وہ مہمانوں کی طرح شامل ہوا بھائی کے رشتے کے نام پہ وہی تو تھا... میرا مان بھی نہ رکھا... اس کی صورت کو ترستے، اس کی جدائی کے دکھ کو دل میں لئے سب پیارے باری باری منوں مٹی تلے جا سوئے... میری مما کو یکے بعد دیگرے اپنے پیاروں کی جدائی نے نڈھال کر دیا اور مجھ سے ان کی یہ تکلیف دیکھی نہ جاتی لیکن وائے میری بے بسی میں ان کے لئے کچھ نہ کر سکتی تھی... اور اسی دکھ نے آخر کار مجھ سے میری ماں بھی چھین لی... آج اظفر کو سب رشتوں سے دور تنہا دیکھا تو بڑی شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ سب کچھ ہی تو واپس پلٹ آتا ہے انسان کیوں وقت پہ اس بات کا احساس نہیں کرتا... اظفر اگلی بار آیا تو میں غصے اور ناراضگی کی کیفیت سے نپٹ چکی تھی... میکے کے نام پہ یہی تو ایک رشتہ بچا تھا... میں اسے اور کیا کہتی وہ خود ہی پچھتاوا کاندھوں پہ لئے چل رہا تھا جس کے بوجھ تلے اسے جینا تھا... کیونکہ جب اس کی آنکھیں کھلیں سب کچھ بدل چکا تھا... اس بار ہم دونوں بہن بھائی نے یادوں کے پٹارے کھول کر اپنے پیاروں کو جی بھر کے یاد کیا... بہت یاد کیا...

احمدیہ ادب اور احمدیہ تشخص

تحریر: مصباح احمد - جرمنی

ادب اور انسان کا ساتھ چاند اور سورج جیسا ہے۔انسانی افعال، کردار، حرکات، اور ان حرکات کے محرکات ونتائج ایک ایسا سورج ہیں جو ادب کے چاند کو روشن کئے رکھتے ہیں۔ اور یہی چاند انسان کو اندھیری راتوں میں امید دلاتا اور دَرُوں بینی کا موقع دیتا ہے۔غرض ادب انسان کی زندگی کا ایک ایسا حصہ ہے جس کو نظرانداز کرنا ناممکن ہے۔

صنفِ نظم ادب کی دو اہم اقسام میں سے ایک ہے۔یہ ادب کی وہ قسم ہے جو بقول مشہور انگریزی شاعر رابرٹ فراسٹ تب تشکیل پاتی ہے جب:

”جذبات خیالات کا روپ اختیار کر کے الفاظ کی صورت میں ڈھل جائیں۔“

یہ الفاظ، جذبات اور خیالات شاعر کئی موضوعات اور انداز میں بیان کرتے ہیں مگر ایک اعلیٰ پائے کے شعر کی تعریف سلسلہ کے ایک مشہور شاعر مکرم چوہدری محمد علی مضطر صاحب کے بقول یوں ہے کہ: ”شعر کی ایک قسم وہ بھی ہے جس کی جڑیں اگر زمین میں ہوں تو شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوتی ہیں۔ایسے شعر کا اگر قبلہ درست ہو تو حسن ہے۔سچ ہے۔خیر ہے۔جس منظوم کلام میں یہ ابعادِ ثلاثہ جمع ہو جائیں وہ شعر کہلائے گا بلکہ حقیقی معنوں میں صرف اسے ہی شعر کہنا مناسب ہوگا...“ (دیباچہ 'ہے دراز دستِ دعا مرا)۔

اس تعریف پر پورا اترنے والے اشعار کی بہترین مثال ہمیں احمدیہ ادب میں ملتی ہے۔یہ بلاشبہ ایک ایسا شجر ہے جو زمین سے آسمان کو ملاتا ہے کیونکہ یہ محض حظ اٹھانے کا سامان نہیں بلکہ اس کی تحریر وتخلیق کا بنیادی اصول ہی اس شعر پر ہے کہ:

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

اور یہی مدعا جو سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش کیا احمدیہ ادب کا امتیازی نشان اور احمدی تشخص کا ترجمان بن چکا ہے۔یوں تو احمدیہ ادب نہایت وسیع اور بے شمار قابلِ قدر اہلِ قلم کے نگینوں سے جڑا ہوا ہے مگر اس مضمون میں مختصراً چند مشہور کلام کو بطور نمونہ پیش کیا جائے گا۔

ایک احمدی کی زندگی کے بدلتے پہلوؤں اور عمر کے مختلف حصوں سے جھلکتے انداز کو احمدیہ شاعری کی نظر سے دیکھا جائے تو احمدیہ عقائد کا اسلامی تعلیمات سے گہرا تعلق عیاں ہوتا جائے گا۔توحید و رسالت کے بنیادی عقائد سے لے کر خلافت کی برکات و اطاعت اور معاشرتی اقدار کی نمائندگی کرتی احمدیہ شاعری بچپن ہی سے ہر احمدی گھرانے میں احمدیہ تشخص کی بنیاد رکھتی نظر آتی ہے۔

ماؤں کی آغوش میں سوتے کانوں میں پڑنے والی ”حمد و ثناء اسی کو، جو ذات جاودانی۔“ کی پرترنم لوری سے لے کر معصوم آوازوں سے اٹھتی ”میری رات دن بس یہی ایک صدا ہے۔کہ اس عالم کون کا اک خدا ہے۔“ تک توحید و وحدانیت کا پہلا درس تکمیل پاتا ہے۔ خدائے ذوالجلال سے شناسائی کے بعد اس کے الفت کے رنگ میں رنگین ہونے والے یہ ننھے سپاہی اس کے مقربین میں شامل ہونے کا گُر

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار

سے سیکھتے اور

مٹ جاؤں میں تو اس کی پروا نہیں ہے کچھ بھی
میری فنا سے حاصل گر دین کو بقا ہو

کے عہد سے اس کے فضل کی راہوں کو تلاش کرتے ملتے ہیں۔اور انہی فضل کی راہوں سے ہوتے ہوئے عشقِ رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاداب وادی میں وارد ہوتے ہیں۔پھر کبھی ”علیک الصلوۃ علیک السلام“ کے کلمات کو اپنی عقیدت کا وِرد بناتے ہیں تو کبھی احمدی خواتین اپنے محسن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کی مدح کرتے ہوئے ”پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار“ کی صدائیں بلند کرتی نظر آتی ہیں۔

احمدیہ تشخص کا وہ بنیادی پہلو جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے وہ اطاعتِ رسولِ خدا میں زمانے کے امام کی بیعت کرنا اور زمانے کو اس شمعِ ہدایت کی طرف بلانا ہے۔یہی وہ پہلو ہے جو احمدیہ ادب میں کئی ترانوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ہر طفل و ناصر چار سو بھٹکے ہوؤں کو اس سمت نظر دوڑانے کا پیام سناتے ملتے ہیں جہاں:

کہہ رہی ہیں چار سو پھیلی شعاعیں نور کی
لو شبیہہ پاک دیکھو وقت کے مامور کی

(صاحبزادی امتہ القدوس بیگم صاحبہ)

خلافت کے وجود کا حقیقی ادراک اور اس سے چمٹے رہنا ہی ایک احمدی کی بقا کا گُر ہے۔اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں جھکے احمدی دل خلافت کی آغوش میں جو سکون پاتے ہیں اس کا اظہار اشعار میں یوں کرتے ہیں کہ:

تیری مسکان کی پھوار دل پر گری
گلشن جان میں بادِ صبا چل پڑی
پیار میں تیرے من بانورے ہوگئے
سیدی مشفقی مرشدی مہربان
تو ہمارا ہوا ہم تیرے ہوگئے

(جمیل الرحمن)

اسی خلافت کے درختِ بابرکت کے ثمرات کی بدولت احمدیت ایک ملتِ واحدہ کی صورت اختیار کر چکی ہے اور ملی ترقی کا یہ پہلا زینہ نوجوانوں میں جوشِ اور جنوں پرواز بیدار کرنا ہوتا ہے۔اس منزل کے راہ نورد اپنے راستوں کو:

آسمانی میں، عدو میرا زمینی، اس لیئے
میں فلک پر اُڑ رہا ہوں اس کو ہے بِل کی تلاش

(کلامِ محمود)

کے الفاظ سے روشن کئے چلے چلتے ہیں۔اور مسیحِ وقت کی طرف یوں بلاتے جاتے ہیں،:

اٹھو کہ ساعت آئی اور وقت جا رہا ہے
پسر مسیح ؑ دیکھو کب سے جگا رہا ہے

پیار و محبت کی تعلیم سے مزین اس الٰہی جماعت کو قدم قدم پر دشمنوں کے شر کا سامنا ہوتا رہتا ہے۔ایسے میں خدا کے فرستادوں کی راہنمائی میں چلنے والی کشتیِ نوح کے یہ مسافر صرف اپنے مولیٰ کے حضور اپنی فریاد پیش کرتے اور اُس کی نصرت پر یقینِ کامل رکھتے ہوئے ان اشعار سے اپنے آنسو صاف کرتے ہیں کہ:

یہ زخم تمہارے سینوں کے بَن جائیں گے رشکِ چمن اس دن
ہے قادرِ مطلق یار میرا، تم میرے یار کو آنے دو

(کلامِ محمود)

جب اسی یقینِ کامل کی بدولت خدا تعالیٰ ان ”دیوانوں“ کی مدد کو آتا اور دشمن کو اس کے انجامِ بد تک پہنچاتا ہے تو شکر گزاری سے لبریز یہ دیوانے

اے صبر و رضا کے متوالو! اٹھو تو سہی دیکھو تو سہی
طوفانوں کے مالک نے آخر رُخ پھیر دیا طوفانوں کا

(ثاقب زیروی)

کے نعروں سے پنڈال لرزا دیتے ہیں۔

غرض بچپن سے لے کر جوانی اور پھر دین کے حقیقی انصار و لجنات بننے تک کے اس سفر میں احمدیہ شاعری روحوں کے لیئے رجز کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔اور اس مختصر جائزہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلطان القلم کی اس جماعت کا مُرتّبہ احمدی ادب نہ صرف احمدیہ جماعت کے عقائد اور احمدی تشخص کا خاصہ ہے بلکہ ہر ایک جذبہ کا ترجمان ہے۔وہ جذبات جو اپنی پاکیزگی، صبر و اطاعت میں نظیر نہیں رکھتے... اللہ تعالیٰ ہمیں اس اقرارِ طاعت پر ڈٹے رہنے کی توفیق عطا فرمائے جو بیعت کی صورت میں ہم نے امام الزمان سے باندھا ہے اور جسے مولوی نعمت اللہ خان صاحب نے اپنے ایک منظوم کلام میں یوں پیش کیا ہے کہ:

بالآخر اے میرے پیارے آقا یہ مجھ میں اور تجھ میں عقد ہوگا
کہ تیرے ارشاد پر ہمیشہ، سر اطاعت کو خم کروں گا
نہ بعد تیرے کسی سے رشتہ، نہ بن تیرے ہوگا کوئی مولا
کسی کی ہوگی نہ مجھ کو پروا میں تیری الفت کا دم بھروں گا

(الفضل 24 جنوری 1928)

حقوق نسواں کے راستے میں حائل رکاوٹ

تحریر: مونا وسیم

حالیہ عالمی یوم خواتین کے موقع پر عورت مارچ کے نام پر اسلام اور قانون کی جس انداز میں دھجیاں اڑائی گئیں اس نے ہمیں قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔

عورت مارچ کے ذریعے پوری دنیا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ اسلام ایک ایسا مذہب ھے جس میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں، وہ مرد کی ملکیت ہے، مرد جیسے چاہے اس کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے۔عورت اس کی باندی ہے، غلام ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی عورت کے حقوق کا جو استحصال ہو رہا ہے اس کا تعلق اسلام اور قانون سے کم، جاہلانہ رسم و رواج سے زیادہ ہے۔اس کے علاوہ تعلیم کی کمی، حقوق نسواں سے لاعلمی بھی عورت کے حقوق ملنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔

عورت مارچ کے ذریعے پوری دنیا پر یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ پاکستانی عورت گھریلو ذمے داریوں، لباس سے حتی کہ نکاح جسے مقدس بندھن سے بھی آزادی چاہتی ہے جبکہ عورت کے تمام بنیادی حقوق جسے حقوق وراثت، تعلیم جیسے معاملات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ایک سروے کے مطابق پاکستان میں ہزاروں معصوم عورتیں غیرت کے نام پر قتل کر دی جاتی ہیں۔مگر ان کے مجرم سرِعام گھومتے رہتے ہیں۔

ونی، جہیز، سکول و کالج اور کام کی جگہوں پر ہراسگی جیسے جرائم کے خلاف آواز نہیں اٹھائی جاتی جبکہ میرا جسم میری مرضی، چادر اور چار دیواری، کھانا خود گرم کرلو، موزہ خود ڈھونڈ لو، میں آوارہ میں بدچلن جیسے نعرے لگا کر عورت کی بے حرمتی کی گئی۔اتنے اہم دن کا فائدہ اٹھانے کے بجائے ضائع کر دیا گیا۔

پاکستان میں بہت کم ایسی منظم سماجی تنظیمیں ہیں جو خواتین کے حقوق کی صحیح طور پر علمبردار ہیں اور جو خواتین کے حقوق کیلئے عملی طور متحرک ہیں۔پاکستانی عورت کی پسماندگی اور مظلومیت میں احساس کمتری، سماج کا خوف، تعلیم کی کمی اور اپنے حقوق سے لاعلمی کا بڑا ہاتھ ہے۔

پاکستانی عورت اپنے حقوق کو غصب ہوتا تو دیکھتی ہے مگر اس کے خلاف آواز نہیں اٹھاتی جس کی وجہ اسلام اور قانون سے ناواقفیت ہے۔اگر پاکستان میں سماجی تنظیمیں اپنا صحیح کردار ادا کریں تو خواتین کے حقوق کے حصول میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو ختم کیا جانا ناممکن نہیں۔

❁❁❁

چین نامہ

جب پہلی بار اکیلے چینی سرزمین پر قدم رکھا

مشہور روایت ہے کہ تعلیم حاصل کرو اگرچہ چین جانا پڑے۔ بچپن میں یہ روایت پڑھتے ہوئے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ایک دن ہم خود تعلیم کے حصول کی خاطر چین پہنچ جائیں گے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹر ڈگری حاصل کرنے کے بعد ہم نے اعلیٰ تعلیم کے لیے پاکستان سے باہر درخواستیں بھیجیں۔ 2،4 ممالک بشمول چین سے جواب آ گیا اور وہ جواب لے کر ہم اپنے والدین کے سامنے پہنچ گئے۔ اسکول سے یونیورسٹی تک وہ ہمیں پڑھائی کی اہمیت بتاتے رہے، لیکن اس دن یہ کام ہم کر رہے تھے۔

ہمارا کہنا تھا کہ خواتین کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی چاہیے، اس سے ان کے اندر مضبوطی آتی ہے، وہ دنیا کو بہتر طور سے سمجھ پاتی ہیں، انہیں روزگار کے اچھے مواقع میسر آتے ہیں اور وہ معاشرے کا فعال رکن بن سکتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے والدین ہر دلیل کے جواب میں ایک ہی بات کہہ رہے تھے کہ پڑھائی مکمل ہونے تک ہماری شادی کی عمر نکل جائے گی۔ ہماری ہر دلیل کے جواب میں وہ ہمیں سمجھاتے کہ دیکھو تم پاکستانی ہو۔ یہاں عورت کی شادی کی ایک عمر ہوتی ہے اور کنواری لڑکیاں ایسے ملکوں ملکوں نہیں گھوما کرتیں بلکہ چپ چاپ گھر میں بیٹھتی ہیں، لہٰذا تم بھی بیٹھو۔ ہم اچھا سا لڑکا ڈھونڈ دیتے ہیں، اس سے بیاہ رچاؤ، اس کی خدمت کرو، کسی دن تمہارے حسنِ سلوک سے خوش ہو کر اگر اس نے تمہیں مزید پڑھنے کی اجازت دے دی تو پڑھ لینا ورنہ شوہر کی خدمت کرتی رہنا۔ اس سے زیادہ تم کیا چاہ سکتی ہو؟

ہم نے اپنی اعلیٰ تعلیم کی راہ میں خود سے اتنی بڑی رکاوٹ لانے سے صاف انکار کر دیا۔ ہمارے امی ابو نے بھی ہار مانتے ہوئے ہمیں جانے کی اجازت دے دی، اور یوں ہم نے فوراً چین کی ایک جامعہ کی طرف سے آئی ہوئی آفر قبول کر لی۔

ہمیں تو بس پاکستان سے بہتر یونیورسٹی سے پڑھنا تھا۔ وہ چاہے چین میں ہوتی یا امریکہ میں، کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ہم نے چین جانے کی تیاری شروع کر دی۔ کسی نے کہا وہاں کھانے پینے کی بہت تنگی ہے، جتنا ہو سکے کھانے کا سامان لے جاؤ۔ ہم نے اپنے بیگ مختلف قسم کی دالوں اور مصالحوں سے بھر لیے۔ جو تھوڑی بہت جگہ بچی اس میں چند کپڑے اور جوتے فٹ کر دیے۔

بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب ہمیں اپنے گھر والوں کو الوداع کہہ کر بیجنگ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ ہمیں اس لمحے احساس ہوا کہ اب ہم روزانہ یونیورسٹی سے واپسی پر گھر والوں سے ملاقات نہیں کر سکیں گے۔ چین میں مغرب کے بنائے گئے تمام سوشل میڈیا نیٹ ورکس بھی بند ہیں۔ ہمارے فون میں ایک وی پی این موجود تھا سو تسلی تھی لیکن چین پہنچ کر پتا چلا کہ مفت کے وی پی این بس پاکستان میں ہی کام کرتے ہیں، چین میں ان کی زندگی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے۔

بیجنگ میں اس وقت صرف ایک بین الاقوامی ہوائی اڈہ ہوا کرتا تھا، اب 2 ہیں۔ جہاز سے اتر کر بیجنگ کیپیٹل انٹرنیشنل ایئر پورٹ کی عمارت میں داخل ہوئے تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پاکستان میں رہتے ہوئے اتنے ترقی یافتہ چین کا سوچنا ناممکن تھا۔ چینی شاہکار بناتے ہیں اور ایئر پورٹ کی عمارت اس کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ ہر طرف صفائی ستھرائی اور چمک دمک۔ ہر جگہ چینی اور انگریزی زبان میں ہدایات درج تھیں۔ اپنے سے آگے والے مسافروں کے پیچھے چلتے چلتے امیگریشن بھی کروالی اور سامان بھی اٹھا لیا۔

ہمیں ایئر پورٹ سے یونیورسٹی خود جانا تھا۔ ہماری یونیورسٹی میں موجود ایک پاکستانی ہمیں اس حوالے سے معلومات دے چکے تھے کہ ایئر پورٹ سے یونیورسٹی تک کی ٹیکسی کیسے لینی ہے، لیکن کیا کریں اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ ہم نے اپنی زندگی میں رات کے اس پہر کسی بس، ٹرین، ٹیکسی یا رکشے میں سفر نہیں کیا تھا، تب کیسے کر لیتے؟ پاکستان میں اس وقت ایک عورت کا اکیلے ایئر پورٹ سے گھر جانا کتنی بڑی مشکل ہے، یہ عورتیں اور ان کے گھر والے تصور کر سکتے ہیں۔ ہم بھی اسی شش و پنج میں تھے کہ جانے یہاں کا کیا ماحول ہے۔ ابھی یونیورسٹی جائیں یا صبح کا انتظار کر لیں۔ تھوڑا بہت سوچا پھر وہیں کونے میں ڈیرا جما کر بیٹھ گئے۔

ایئر پورٹ کے باہر ٹیکسیاں موجود تھیں لیکن 'جانے کیا ہو گا' کا ڈر ہمیں روکے ہوئے تھا۔ صبح 5 بجے سورج نکلا تو ڈرتے ہوئے ایئر پورٹ سے باہر قدم نکالا۔ ایک ٹیکسی والے کو فون پر یونیورسٹی کا چینی زبان میں نام دکھایا۔ اس نے سرسری سی نظر ڈال کر مجھے سامان گاڑی کی ڈگی میں رکھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اپنے بھاری بھر کم بیگ دیکھے اور پھر اسے دیکھا، پھر خود سے کہا 'چین میں خوش آمدید'۔

ٹیکسی جانے کن رستوں سے گزر کے یونیورسٹی کے مغربی دروازے تک پہنچی۔ ہم نے جانے سے پہلے گوگل پر یونیورسٹی کا مرکزی دروازہ دیکھ رکھا تھا جو ہرگز وہ دروازہ نہیں تھا۔ ہم نے اسے پھر سے یونیورسٹی کا نام دکھایا تو اس نے اسی گیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہا۔ ہمیں بس یہی سمجھ آیا کہ ٹیکسی والا ہمیں جہاں بھی لے آیا ہے ہمیں بس اب یہیں اترنا ہے۔

لہٰذا کرایہ ادا کیا اور ڈگی سے سامان نکالا۔ ٹیکسی والا شاید اسی انتظار میں تھا۔ وہ فوراً گاڑی بھگا لے گیا۔ ہم اپنے دونوں بیگ سنبھالتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھے۔ گارڈ کو یونیورسٹی کا نام دکھایا تو اس نے تصدیق کی کہ ہم صحیح جگہ پہنچے ہیں۔ اس کا فون لے کر یونیورسٹی میں موجود ایک پاکستانی صحافی اور طالب علم کو فون کیا۔ وہ کچھ ہی دیر میں گیٹ پر آ گئے۔ ہمیں اپنے ساتھ ہمارے ہاسٹل تک لے کر گئے، رجسٹریشن کا عمل پورا کروانے کے بعد ہمیں ہمارے کمرے میں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

اگلے روز وہ دوبارہ ملے۔ کہنے لگے آؤ کھانا کھانے چلتے ہیں۔ ہم رات کے بھوکے تھے اس لیے چپ چاپ ان کے ساتھ چل دیے۔ وہ ہمیں لے کر ایک قریبی مسلم ریسٹورینٹ پہنچے۔ ہم نے مینیو کارڈ دیکھا اور پھر ان کے سامنے رکھ دیا کہ کچھ گزارے لائق منگوا دو۔ انہوں نے بیف فرائڈ رائس آرڈر کردیے۔ تھوڑی دیر بعد جو ڈش ہمارے سامنے آئی وہ دیکھنے میں خاصی مناسب تھی لیکن اس وقت ہم جس ذہنی حالت کا شکار تھے، اس سے بالکل انصاف نہ کرسکے۔

ہماری دنیا میں باسمتی کے علاوہ کوئی چاول نہیں تھا۔ یہ پہلی بار تھا کہ ہم لمبے خوشبودار باسمتی چاول کے علاوہ کوئی اور چاول دیکھ اور کھا رہے تھے۔

ہم پاکستان میں رہتے ہوئے چینی کھانے بہت شوق سے کھاتے تھے۔ چکن منچورین تو ہماری پسندیدہ ڈش تھی۔ اس کے علاوہ چکن شاشلک، بیف چلی ڈرائی، کنگ پاؤ چکن اور اسپرنگ رول بھی ہم شوق سے کھاتے تھے۔

گرچہ ہم جانتے تھے کہ ان کھانوں کا چین سے اور چین کا ان سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، اس کے باوجود ہم جب بھی چینی کھانوں کے بارے میں سوچتے تو ان سے ملتے جلتے کھانے ہی ہمارے ذہن میں آتے تھے۔ چین میں اپنا پہلا کھانا کھاتے ہوئے ہمیں احساس ہو رہا تھا کہ ہم پوری زندگی چینی کھانوں کے نام پر دھوکا کھاتے رہے تھے۔

ہم کھانا کھانے کے بعد واپس یونیورسٹی لوٹے۔ اس دن نئے طلبا کی رجسٹریشن ہو رہی تھی۔ ہماری رجسٹریشن انٹرنیشنل اسٹوڈنٹ آفس میں ہونا تھی، ہم سیدھا وہیں چلے گئے۔ آدھے گھنٹے بعد ہم کمیونیکیشن یونیورسٹی آف چائنہ میں ماسٹر ڈگری کے ایک پروگرام میں رجسٹر ہو چکے تھے۔ کمیونیکیشن یونیورسٹی آف چائنہ چین میں صحافت کی تعلیم کے لیے بہترین تصور کی جاتی ہے۔ چینی میڈیا کے بہت سے نامور لوگ اسی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں۔ یہ یونیورسٹی 1954ء میں بیجنگ کے مشرقی حصے میں بنائی گئی تھی۔ اس وقت اس کا نام بیجنگ براڈ کاسٹنگ انسٹیٹیوٹ رکھا گیا تھا جو 2004ء میں تبدیل کرکے کمیونیکیشن یونیورسٹی آف چائنہ کر دیا گیا۔ یونیورسٹی کا رقبہ تقریباً 50 لاکھ مربع فٹ ہے اور اس میں کل 15 ہزار طالب علم زیرِ تعلیم ہیں۔

ہماری یونیورسٹی کا رقبہ پنجاب یونیورسٹی سے کئی گُنا کم ہے لیکن چینیوں نے یونیورسٹی کا ایک ایک انچ کا بھرپور استعمال کیا ہوا ہے۔ یونیورسٹی میں تدریسی اور رہائشی عمارتوں کے علاوہ آبشاریں اور جھیلیں بھی موجود ہیں۔ دن بھر کے تھکے ہارے طلبہ شام کو ان جھیلوں کے کنارے ٹہلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یونیورسٹی کا اپنا ٹی وی اسٹیشن بھی ہے۔ اس اسٹیشن کا پورا انتظام یونیورسٹی کے طلبہ چلاتے ہیں۔ یونیورسٹی میں ایک میڈیا میوزیم بھی موجود ہے جہاں ذرائع ابلاغ کو مختلف آلات کی صورت میں قدیم زمانے سے جدید زمانے میں داخل ہوتے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی میں دو تین جگہوں پر صحافیوں، کیمرا پرسنز اور ڈائریکٹروں کے کئی مجسمے بھی نصب کیے گئے ہیں۔

ہم دوپہر کا کھانا تو ایک حلال ریسٹورینٹ سے کھا چکے تھے۔ اب اپنے کمرے میں بیٹھے شام کے کھانے کی فکر کر رہے تھے۔ دوپہر میں تو چینی چاول جیسے تیسے کرکے کھا لیے تھے، رات کو ان کے بارے میں سوچنے کا بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ ہمارے بیگ میں ہر قسم کی دال اور مصالحے موجود تو تھے مگر انہیں پکانے کے لیے ہمارے پاس کوئی برتن نہیں تھا۔ اگرچہ ہاسٹل میں باورچی خانہ تھا لیکن وہاں بس ہاٹ پلیٹ اور مائیکروویو اوون رکھے ہوئے تھے اور طلبہ کھانا پکانے کے لیے اپنے برتن استعمال کرتے تھے۔

ہم نے اس وقت اپنے بیگ سے انسٹینٹ نوڈلز کے پیکٹ اور ایک پلاسٹک کا ڈبہ نکالا جس میں امی نے کچھ بسکٹ اور نمکو ڈال دی تھی۔ ہم نے ڈبے میں نوڈلز کھول کر ڈالے، تھوڑا سا پانی ڈالا اور ڈبے کو بند کرکے پانچ منٹ کے لیے مائیکروویو اوون میں رکھ دیا۔ پانچ منٹ بعد نوڈلز تیار تھے۔ یہ ہمارا چین میں پہلا دن تھا اور ہم نوڈلز کی سرزمین پر پاکستان سے لائے نقلی نوڈلز کھا رہے تھے۔

اگلے دن تھوڑی ہمت ہوئی تو ہاسٹل سے باہر نکل کر یونیورسٹی کا جائزہ لیا معلوم ہوا یونیورسٹی میں 4 کینٹین ہیں جن میں سے ایک صرف مسلمان طالب علموں کے لیے مختص ہے۔ ہم پورا ہفتہ وہاں سے کھانا کھاتے رہے۔ اس وقت ہمیں کسی کھانے کا نام نہیں آتا تھا۔ بس انگلیوں کے اشارے سے جو کھانے کے قابل لگتا، پلیٹ میں نکلوا لیتے۔ اچھا لگتا تو اگلی بار وہی لے لیتے ورنہ کوئی نئی چیز ٹرائی کرتے۔

اس ایک ہفتے میں ہمیں پتہ چلا کہ چینی ہماری طرح فرائڈ رائس نہیں بلکہ ابلے ہوئے چاول کھاتے ہیں۔ چینی ہر کھانے کے ساتھ سوپ بھی پیتے ہیں جو چاولوں کی پیچ بھی ہو سکتا ہے اور دھنیا اور مولی ڈال کر ابالا گیا پانی بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے ان دنوں ایک اور سبق یہ سیکھا کہ کھانے کے معاملے میں کسی دوسرے کی پسند ناپسند پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ لازمی نہیں کہ اس انسان کو جو ذائقہ اچھا لگتا ہو آپ کو بھی وہ اچھا ہی لگے۔ ہمارے ایک سینئر نے ہمیں انڈے اور ٹماٹر کی ایک ڈش کے بارے میں کہا کہ یہ بہت مزے کی ہوتی ہے۔ ہم نے ایک دن ابلے ہوئے چاولوں پر وہی ڈلوا لی۔ وہ دن اور آج کا دن، قسم لے لیں جو ہم کبھی اس کے پاس بھی پھٹکے ہوں۔

کینٹین میں ہماری پسندیدہ ڈش تاپان چی تھی جو اصل میں آلو اور چکن کا سالن ہوتا ہے۔ یہ چین کے ایک صوبے سنکیانگ کا کھانا ہے۔ کسی اچھے ریسٹورینٹ سے کھائیں تو کافی مزے کی لگتی ہے۔ یونیورسٹی کے کینٹین کا کھانا چین میں بھی پاکستان کی کسی یونیورسٹی کی کینٹین کے کھانے کی طرح بدمزہ ہی ہوتا ہے۔

ہم نے ایک ہفتے میں ہی چینی کھانا کھانے سے پکی توبہ کر لی تھی۔ ہمارے سینئر ہمیں قریبی مارکیٹ لے گئے جہاں سے ہم نے دکاندار کی من پسند قیمت پر ایک عدد فرائی پان اور ایک عدد رائس کوکر خرید لیا۔ پھر ہم پورا سال اپنے ہاسٹل میں پاکستانی کھانے بناتے اور کھاتے رہے۔

ہمیں لگتا ہے کہ اس وقت ہمارے ذہن میں چینی کھانوں کے متعلق ایک خوف موجود تھا جو ہمیں ان کھانوں کو چکھنے سے بھی روک رہا تھا۔ آہستہ آہستہ حوصلہ کیا تو پتہ چلا چینی کھانے میں بھی کئی اقسام پائی جاتی ہیں۔ ہر صوبے کا کھانا دوسرے سے مختلف ہے۔ کہیں نوڈلز کھائے جاتے ہیں تو کہیں چاول، کہیں مصالحے ہماری طرح بے حساب ڈالے جاتے ہیں تو کہیں ان سے مکمل پرہیز کیا جاتا ہے۔ ہاں، چینی کھانوں میں تیل کا استعمال

بہت ہوتا ہے۔

پاکستان میں عموماً سمجھا جاتا ہے کہ چینی کھانے میں بالکل تیل نہیں ڈالتے۔ ہم نے یہاں اس کے بالکل الٹ دیکھا۔ چینی کھانوں میں تیل کا استعمال دل کھول کر کرتے ہیں۔ البتہ کھانا جلد کھالیتے ہیں مثلاً دوپہر کا کھانا 11 سے 12 کے درمیان کھایا جاتا ہے اور شام کا 5 سے 6 کے درمیان۔ اس کے بعد چینی واک کرتے ہیں، جاگنگ کرتے ہیں یا اپنی پسند کی کوئی سی بھی ورزش کرتے ہیں، شاید اسی وجہ سے ہمارے جتنے پیٹوں سے محروم ہیں۔

چین کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں حلال ریسٹورینٹ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ ہماری یونیورسٹی کے پاس ہی 5 حلال ریسٹورینٹ تھے۔ چین بھر میں زیادہ تر حلال ریسٹورینٹ سنکیانگ کے لوگوں نے کھولے ہوئے ہیں۔ وہ وہاں سنکیانگ کے کھانے سرو کرتے ہیں جو بہت حد تک پاکستانی کھانوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ان ریسٹورینٹس کے باہر مسجد کی شبیہ بنی ہوتی ہے یا کلمہ لکھا ہوتا ہے یا عربی میں حلال لکھا ہوتا ہے۔ ان ریسٹورینٹ میں شراب بھی عام ملتی ہے جس کا جی چاہے وہ اپنے کھانے کے ساتھ بیئر کا آرڈر دے سکتا ہے۔

چینی کھانے کو ہاتھ لگانا اچھا نہیں سمجھتے۔ وہ ہر چیز چاپ اسٹک سے کھاتے ہیں۔ کوئی ایسی چیز جو ہاتھ میں پکڑ کر کھائی جاتی ہو اس کے لیے وہ پلاسٹک کے دستانے پہنتے ہیں اور پھر اس چیز کو پکڑتے ہیں حتیٰ کہ پیزاہٹ اور ڈومینوز میں پیزا کے ساتھ بھی یہی دستانے دیے جاتے ہیں۔ ساتھ گرم پانی کا گلاس۔ چینی پینے کے لیے گرم پانی کا ہی استعمال کرتے ہیں۔

ہم نوڈلز کے لیے چاپ اسٹک استعمال کرلیتے تھے اور چاولوں کے لیے چمچ مانگ لیتے تھے مگر نان ہم ہاتھ سے ہی کھاتے تھے۔ ہم نے محسوس کیا کہ جیسے ہی ہم نان پکڑتے تھے، اردگرد کی میزوں پر موجود چینی ایسے حیران ہوکر ہمیں دیکھتے تھے جیسے ہم کوئی انوکھا کام کر رہے ہوں۔ ان ریسٹورینٹس میں نان بھی ملتا ہے جو ہمارے نان کی طرح خستہ اور ہلکا نہیں ہوتا بلکہ قدرے بھاری اور سخت ہوتا ہے، لیکن کھانے میں بالکل نان جیسا لگتا ہے۔ ہم اس کے ساتھ مٹن باربی کیو منگواتے تھے۔ چین میں باربی کیو کے لیے بس 3 مصالحوں کا استعمال کیا جاتا ہے، نمک، پسی سرخ مرچ اور پسا ہوا زیرہ۔

ہم چین ستمبر 2015 میں آئے تھے۔ ہمارے جانے سے پہلے ہمیں پتہ لگا کہ ہماری دادی کی بہن جو امریکا میں رہتی ہیں اپنے شوہر کے ساتھ اکتوبر میں چین کی سیر کو آئیں گی۔ ہمارے چین آنے کے پیچھے ان کا بھی تھوڑا سا ہاتھ رہا۔ جیسے ہی انہیں ہمارے چین جانے کا پتا چلا انہوں نے ہمارے گھر فون کرکے ہمارے والدین کو بہت مبارکباد دی اور لڑکیوں کے ملک سے باہر جانے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی حمایت کی۔

ہمارے والدین کو اپنے سے بڑے کے منہ سے ایسی باتیں سن کر بہت حوصلہ ملا اور انہوں نے ہمیں چین جانے کی اجازت دے دی۔ دادی نے ہم سے پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتادو۔ ہم نے پہلے پہل تو انکار کیا۔ دادی نے زور دیا تو ہم نے ان سے وہ سب منگوایا جو آج ہم اپنی یونیورسٹی کے قریبی موجود اسٹور سے بھی خرید سکتے ہیں۔

اس وقت ہمیں چین کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں تھا اور جو کچھ سن رکھا تھا اس کی بنیاد پر ہم کچھ بھی کھانے پینے سے انکاری تھے۔ ہم نے دادی سے کہا کہ وہ ہمارے لیے کچھ دوائیاں، مسور کی دال اور پاستا لے کر آئیں۔ اب ہمیں تھوڑی شرمندگی ہوتی ہے کہ ہم نے ان سے جو کچھ منگوایا وہ ہم اپنی یونیورسٹی کے پاس سے ہی خرید سکتے تھے لیکن اس وقت ہم اتنے گھبرائے ہوئے تھے کہ ادھر اُدھر جاکر ماحول دیکھنے سے بھی انکاری تھے۔ ہماری جگہ کوئی بھی ہوتا تو شاید ایسے ہی کرتا۔ چینیوں اور ان کے کھانے پینے کی عادتوں کے بارے میں ایسی ایسی چیزیں مشہور ہیں کہ چین جاتے ہوئے پہلا خیال یہی آتا ہے کہ وہاں ہمارے کھانے کے لیے کیا ہوگا۔ حالانکہ چین اتنا ہی جدید ہے جتنا امریکا یا یورپ کا کوئی بھی ملک۔

پاکستانی چاول، دالیں اور مصالحے آن لائن با آسانی خریدے جاسکتے ہیں۔ چین کے بڑے شہروں میں پاکستانی ریسٹورینٹ بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں حلال گوشت ہر جگہ مل جاتا ہے۔ یہ دکانیں چینی مسلمان چلاتے ہیں اور حلال ریسٹورینٹ کی طرح ان کے باہر بھی کلمہ لکھا ہوتا ہے۔ ہماری مانیں تو لکھے کو بہت جانیں۔ چینی کم از کم بکرے کے نام پر گدھا نہیں کھلاتے۔ ❁❁❁

امراضِ سینہ کا علاج

میں خیال کرتا ہوں کہ امراضِ سینہ مثلاً سِل، کھانسی وغیرہ کے واسطے اس سورۃ شریفہ (النّاس) میں ایک دعا ہے۔ کیونکہ آج کل ڈاکٹروں نے یہ تحقیقات کی ہے کہ پھیپھڑے میں ایک باریک کیڑے ہوتے ہیں جن کو جرمز کہتے ہیں۔ جب وہ پیدا ہوجاتے ہیں تب پھیپھڑا زخمی ہوکر سِل کی بیماری اور کھانسی پیدا ہوجاتی ہے جنّ بھی ایک باریک اور مخفی شے کو کہتے ہیں۔ اس سورۃ میں ان اشیاء کے شر سے پناہ چاہی گئی ہے۔ جو سینہ کے اندر ایک خرابی پیدا کرتے ہیں۔ ناظرین اس کا تجربہ کریں۔ لیکن صرف جنتر منتر کی طرح ایک دعا کا پڑھنا اور پھونک دینا بے فائدہ ہے، سچے دل کے ساتھ یہ سورۃ اور معنی کو بطور دُعا کے مریض اور اس کے معالج اور تیمار دار پڑھیں اور مریض کے حق میں دعا کریں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور بخشنے والا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ایسے بیماروں کو اس کلامِ پاک کے ذریعہ شفا حاصل ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس سورۃ شریفہ (النّاس) کے شانِ نزول کے بارہ میں حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ پر اس قسم کی آیات نازل ہوئیں کہ ان جیسی میں نے کبھی نہیں دیکھیں وہ معوذتین ہیں۔ ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنّ وانس کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، مگر جب معوذتین نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور طرح اس امر کے متعلق دعا کرنا چھوڑ دیا اور ہمیشہ ان الفاظ میں دعا مانگتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوا کرتے تھے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ پڑھ کر دَم کیا کرتے تھے۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 587)

❁❁❁

ریشم کا کیڑا یا مکڑی کا جالا

تحریر: سحرش کنول

ہم جس کہکشاں میں رہتے ہیں اسے ملکی وے گیلیکسی کہتے ہیں، یہ اتنی بڑی ہے کہ اس کے آخری سرے پر پہنچنے کے لیے 3,000 کروڑ سال درکار ہوں گے۔ایسی اربوں کائناتیں اور ان میں اربوں، کھربوں سیارے اور نہ جانے کتنی مخلوقات موجود ہوں مگر ان سب کے مالک اور ہمارے رب نے سب سے اعلیٰ درجہ حضرت انسان کو بخشا۔

کائنات کی ہر شے ہر مخلوق قدرت کے طے کردہ قانون کے تحت ہی چل رہی ہے، ازل سے جو قانون طے کیا گیا ہے یہ اسی کے تحت حرکت کر رہی ہیں مگر حضرت انسان اور شیطان اپنی من مانی کرنے کا حق رکھتے ہیں وہ بھی اس شرط پر کہ روز جزا سب کو ان کے اعمال کا برابر حساب چکانا ہوگا جو برے کے لیے برا اور بھلے کے لیے بھلا ہوگا۔

مگر پھر بھی اللہ نے انسان کو اکیلا نہیں چھوڑا بلکہ اس کی اصلاح اور ہدایت کے لیے کئی راستے اور مثالیں متعین کر رکھی ہیں تا کہ وہ شیطان کے جال میں نہ پھنس سکے اور بھٹکنے سے بچ جائے۔

گزشتہ دنوں انٹرنیٹ پر ایک ویڈیو کلپ دیکھا جس میں ریشم کے کیڑے کی لائف سائیکل کے بارے میں بتایا گیا تھا، یہ دیکھ کر مجھے مکڑی کے جالے کا خیال ہوا کہ کیا عظیم قدرت ہے میرے رب کی، جس نے دو حشرات سے ایک ہی کام لیا مگر نوعیت الگ الگ ہے۔ایک قیمتی اور نایاب اور دوسرا نحوست اور بوسیدگی کی علامت۔

ریشم کا کیڑا شہتوت کے پتے کھا کر 15 سے 30 دن میں خوبصورت اور مضبوط ریشم پیدا کرتا ہے جو مقدار میں کم تو ہوتا ہے مگر قیمتی ہوتا ہے۔جب تک ریشم کا کیڑا اچھی اور کارآمد ریشم پیدا نہیں کر لیتا وہ تتلی نہیں بن سکتا، ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک انسان کو، انسان سے مومن بننے کے لیے اپنے کردار کو اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کے سانچے میں ڈھالنا ضروری ہوتا ہے، اس کے بنا جنت کا حصول ممکن نہیں۔

جبکہ دوسری طرف مکڑی کا ریشم یعنی جالا ہے جو دو دن میں کافی مقدار میں بنا لیتی ہے مگر نہایت ہی کمزور ہوتا ہے، اسی لیے مکڑی اپنے جال میں کافی عرصے تک بھوکی بیٹھی رہتی ہے جب اس کے جالے میں مچھر یا مکھی پھنس جاتی ہے تو یہ اسی سے پیٹ پوجا کرتی ہے، اسی لیے اس کے ریشم کو جالا کہا جاتا ہے۔یہ سست اور کوشش نہ کرنے والی جاندار ہے۔

قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، سورۃ العنکبوت میں مکڑی کے جالے کو کمزور گھر سے تشبیہ دی گئی ہے، موجودہ دور میں بہت کوشش کی گئی کہ مکڑی کے ریشم کو مضبوط بنا کر کارآمد بنایا جا سکے مگر اب تک اس میں ناکام رہے۔آخر کار اب ریشم کے کیڑے سے مکڑی کے ریشم کی افزائش پر تجربات کیے جا رہے ہیں۔

یہاں میرا مقصد دونوں حشرات کا موازنہ نہیں بلکہ اپنا محاسبہ کرنا ہے۔اللہ پاک کی بنائی گئی ہر چیز میں ہمارے لیے ایک مثال اور رہنمائی پوشیدہ ہے تا کہ ہم اپنی سمت درست رکھیں۔ہماری زندگی ریشم کے کیڑے کی مانند ہونی چاہئے جو اپنے وجود کا مقصد اچھے سے سمجھتا ہو اور اپنی زندگی کو اس کے حصول میں وقف کرے۔دوسروں کو فائدہ پہنچائے، اتنا چھوٹا سا کیڑا اس قدر قیمتی ہے تو سوچیں، ہمیں رب العزت نے اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے، سب سے افضل ہیں تو یقیناً ہمارا مقصد اور ہماری ذمہ داری بھی بہت بڑی ہوگی۔بندے کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ اپنے رب کی اطاعت کریں۔اپنے رب سے سچی وفاداری جس سے بڑی کوئی ذمہ داری ہو ہی نہیں سکتی۔

ایسی اطاعت جو کردار سے ظاہر ہو مگر افسوس ہم ریشم کے کیڑے سے سبق لینے کے بجائے مکڑی کے کمزور جالوں کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔اپنی زندگی کو دین کے خوبصورت اور مضبوط حصار سے دور کر کے اپنی مصروفیات اور زندگی کو دنیاوی لذت، ضرویات اور چاہت جیسے مکڑی کے جال میں خود کو تبدیل کر چکے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے مقصد کو پہچانیں کہ ہم ریشم کے کیڑے کی مانند کارآمد اور قیمتی بننا چاہتے ہیں یا مکڑی کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں جو صرف اپنے فائدے کے لئے ہی حرکت کرتی ہے، ہم اپنے اعمال سے جالا بُن رہے ہیں یا ریشم، ہر شخص اپنے اندر کا حال خوب جانتا ہے۔

❁❁❁

مقام نقطہ

تحریر: رفعت امان اللہ

اپنے کمرے کی آرام دہ کرسی پہ نیم بیدار، اپنے تخیلات میں گم ایک راستے پر چلتی جارہی ہوں۔ راہ گزر کی دونوں اطراف سرخ گلاب جوبن پر ہیں۔ فضا میں خوشبوؤں کا سرور چھایا ہوا ہے۔ رہگزر گلاب کی کلیوں سے بھری ہوئی ہے۔ میں اٹھکیلیاں کر رہی ہوں۔ پھولوں کی مہک نے میری روح تک کو سرشار کر دیا ہے۔ اپنی آنکھوں سے ان کے رنگ چراتی ہوں۔ اپنی سانسوں سے ان کی خوشبو اپنے اندر انڈیل رہی ہوں۔ میری پور پور میں سرخ گلاب رچے بسے ہیں۔ کچھ طائر ہیں جو چھوٹی اڑانیں بھر رہے ہیں اور کچھ بہت دور ہیں، مگر میں ان سے بے خبر چل رہی ہوں۔ میں ان سرخ گلابوں کی سرخی میں اس قدر سرشار اور مست ہوں ہو کہ دیوانی ہوئی جارہی ہوں۔ میرے جسم کا ایک ایک ذرہ ان گلابوں کی پتیوں میں سمٹ گیا ہے، یا یوں کہ یہ گلاب مجھ میں سما گئے ہیں۔ ایک موڑ مڑنے کے ساتھ ہی منظر پہلے سے بھی دلکش ہو گیا۔

یہاں راہ گزر پر گلاب کی پتیاں خوشبوؤں سے بھری ہوئی ہیں۔ راہ گزر ریشم سے بھی ملائم ہے۔ اونچی اڑانوں والے پرندوں کو پالینے کی خواہش میں میں بھاگی جارہی ہوں۔ یہاں اتنی مستی چھائی ہے کہ پورا منظر ان سرخ گلابوں کے سحر میں کھویا ہوا ہے۔ بس اب تو ہر آن ہر جگہ گلابوں کا بسیرا ہے۔ اور اب تو میری سانسیں بھی خوشگوار ہو گئی ہیں۔ میرا رواں رواں مہک رہا ہے۔ ایسی سرشاری و مستی جو ابھی گلابوں میں بھری تھی، سب مجھ میں سما گئی ہے۔ جیسے ہوا کے چلنے سے گلاب جھوم رہے ہیں، میں بھی گلاب بن کے جھوم رہی ہوں۔ میں رقص و دھمال، سے سرور میں ہوں، میں اندر باہر سے مجسمۂ گلاب بن گئی۔ اتنا کہ نچوڑو تو عرق نکلے۔

اب میں آنکھیں موندے رقص میں گم ہوں۔ میں امید کر رہی ہوں کہ جب میں آنکھیں کھولوں تو سرخ گلاب ہر سو ہوں گے۔ میرا استقبال اپنی ملائم پتیوں سے کریں گے۔ آنکھیں موندے بڑھتی جارہی ہوں۔ قریب تھا کہ میں اپنی ہستی ہی کھو دوں، اور "میں" نہ رہوں۔ میں پتیوں کی لالگی میں پوری طرح پیوست ہو جاؤں۔۔۔ میں منتظر تھی گلابوں کی۔ مگر محسوس ہوا کہ راہ گزر سخت سے سخت تر ہو رہی ہے۔ یکایک میرے پاؤں میں ایک کانٹا چبھا۔ میں درد کی شدت سے کراہ رہی تھی۔ میرا وجود جو روح تک ابھی گلابوں کے خمار میں سرشار تھا، اب درد و الم کا مظہر بن گیا ہے۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا، چند طائر زمیں پہ بیٹھے ہوئے ہیں، وہ اپنی چونچیں مٹی میں پیوست کر رہے ہیں اور ان کے پر خاک آلود ہو رہے ہیں۔

میرے پاؤں سے سرخ گلابوں سا رس ٹپکا۔ رہگزر جو بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اب ویسی نہیں ہے۔ تھوڑا اور آگے جا کے کوئی پرندہ مجھے دکھائی بھی نہیں دیا۔

میں نے جانا کہ میں کسی ان دیکھی دیوار کے اس پار آگئی ہوں۔ چونکہ رقص میں رکنا محال تھا پس میں آنکھیں موندے محو رقص رہی تھی، مگر اب ہر دھمال جامد ہو چکی ہے۔

اور پھر وہی ہوا جو ہونا تھا، آنکھ کھلتے ہی میں نے جانا، وہ تمام سرخ گلاب شاید سوکھ گئے تھے۔ اب ہر جگہ کانٹے ہی کانٹے رہ گئے ہیں۔ میں نے کوئی گلاب نہ پایا۔ میں نے واپسی کی ہر راہ بند پائی۔

اب میں ہوں اور خار دار کانٹے۔ یہ اتنے زہریلے اور نوکیلے ہیں کہ میرا جسم تو کیا، میری روح تک بھی زخمی کر دیتے ہیں۔ میرے جسم و جاں اور روح تک کے چیتھڑے اتارنے میں تامل نہیں کرتے۔ میرے ذہن کے کونے کھدروں سے سرخ گلابوں کی یادیں نوچتے ان کو رحم آتا ہے نہ ترس۔۔۔۔ مگر سنو! یہ ازل کی ریت پہ قائم ہیں، یہ بے وفا نہیں ہیں سرخ گلابوں کی مانند، یہ ازل سے ساتھ ہیں ابد تک۔

❁❁❁

ادارتی پالیسی

آبگینے خواتین ڈائجسٹ کی ادارتی پالیسی واضح ہے مذہبی اور غیر مذہبی نقطۂ نظر پر اور اظہار آزادی پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی، تعصب اور عصبیت سے پاک ہے۔ اس کا کسی طبقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تمام مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو خوش دلی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ آئیے اپنا مؤقف بلا خوف و خطر بیان کیجیے۔ لیکن دوسروں کے جذبات کا احترام آپ کا اور ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ اپنا مضمون یا منظوم کلام ہمیں بھیجنے سے قبل اس کو اچھی طرح سے پڑھ لیں تاکہ کمپوزنگ (ٹائپ) کی غلطیاں آپ خود نکال سکیں۔ تحریر میں غلطیاں کم ہونے کی صورت میں جلد قابل اشاعت ہو گی۔ یاد رہے متن میں تبدیلی کرنا ایڈیٹر کا اختیار ہوتا ہے۔ ضروری امر یہ ہے کہ مضمون یا کلام وہی قابل اشاعت ہو گا جو پہلے کسی اخبار یا انٹرنیٹ سوشل میڈیا پر شائع نہ ہوا ہو۔ علاوہ ازیں آپ کی تحریر ایک ہزار الفاظ سے زیادہ نہ ہو بعض صورتوں میں استثناء دیا جا سکتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ

مدیرہ عباسی
مدیرہ

خون کی بوتل

تحریر: امتہ الجمیل سیال - جرمنی

یوں تو حائل میرے رستے میں سمندر کتنے

چند یادوں کے سفینے ہیں سلامت اب تک

آج ماضی کے دریچوں میں جھانکنے کا موقع ملا تو ہر طرف یادوں کے انبار لگے دیکھے اور یادیں بھی ایسی جن کا اثر آنکھوں سے رگ و پے میں اتر جائے گا۔ کچھ یادوں سے پردے ہٹائے تو کہیں روح کا کرب کہیں ہجر ، کہیں فراق، تو کہیں ملن کے رنگ پائے۔ کچھ یادوں میں تو اداسی و غم کے جلتے دیپ نظر آئے تو کہیں مسرتوں کی شمع روشن دیکھیں۔ بس آج ایک یاد سے پردہ ہٹایا تو سامنے وہی جھریوں بھرا چہرہ آنکھوں میں اداسی لیئے میرے سامنے کھڑا تھا۔ آج اسی یاد کو آپ سب سے شیئر کرنا چاہتی ہوں۔

یہی کوئی سن 86 کا ذکر ہے میں سی ایم ایچ پنڈی میں وارڈ نمبر 5 میں اپنے آفس کی فائلوں سے الجھی ہوئی تھی وقت کوئی بارہ اور دو بجے کے درمیان کا، آج ایڈمیشن ڈے تھا اور میری وارڈ کے انچارج کرنل اپنے اسسٹنٹ میجر ریحان برنی جو آجکل جنرل کے عہدے پہ ہیں کے ساتھ مریض دیکھنے میں مصروف تھے۔ میں جلدی جلدی اپنا کام نپٹانے میں مصروف تھی کہ اچانک میرے آفس میں ایک بزرگ اداس اور پریشان چہرے سے داخل ہوئے اور میرے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے فائلوں سے نظر ہٹا کے دیکھا تو بزرگ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور نہ جانے میری طرف ہی کیوں دیکھ رہے تھے۔ میں نے فائل بند کی اور ایک دم بے چینی سے کھڑے ہو گئی۔ پوچھا بابا جی آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اور یہاں میرے آفس میں خیریت تو ہے نا؟

میرے ہمدردانہ لہجے سے انہیں ہمت ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے میں نے انہیں کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مگر شاید وہ میرے افسری تمغوں کے احترام میں کھڑے رہنا چاہتے تھے۔ میں نے اصرار کر کے بٹھایا اور کہا کہ اب بتائیں کیا بات ہے۔ اس بزرگ نے کپڑے کی ایک تھیلی میرے سامنے ٹیبل پہ الٹا دی اور بہت سے فوجی میڈلز بہادری و جرأت کے تمغہ جات اور بہت سے کانسی اور چاندی کے اعزاز میرے سامنے بکھرے پڑے تھے۔ تھوڑے وقفے کے بعد وہ بولے

"یہ میری زندگی کی جمع پونجی ہے میں نے ساری زندگی قوم و ملک اور فوج کے ساتھ وفا نبھائی مگر آج مجھے صرف اس لئے ہسپتال میں داخل کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ میرے پاس خون کی ایک بوتل نہیں ہے۔ کرنل رؤوف صاحب نے کہا ہے کہ جب خون مہیا کرو گے تو آجانا۔ بیٹا میرا تو کوئی بھی نہیں جو خون دے"

میں نے ان بزرگ کو تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں آپ کیلیئے خون کا بندوبست بھی ہو گا اور داخلہ بھی آج ہی ہو گا۔ آپ یہیں میرے آفس میں اسی کرسی پہ میرا انتظار کریں۔ میں نے وارڈ کے جونیئر عملہ سے بھی کہہ دیا۔ کہ ان بابا جی کو یہاں سے کوئی نہ اٹھائے جب تک میں نہیں آتی یہ میری اسی کرسی پر بیٹھے رہیں۔ اور میں اللہ کا نام لیکر کرنل رؤوف کے آفس میں گئی جو میرے آفس کے ساتھ والا کمرہ ہی تھا میں نے اس مریض کے پیپر دکھائے اور سوالیہ انداز میں کرنل سے پوچھا کہ سر اس مریض کا داخلہ صرف اس لیئے نہیں ہو رہا کہ وہ خون کی ایک بوتل جمع نہیں کروا سکتا؟

وہ فوج کا ریٹائرڈ خدمت گزار ہے اور یہ اس کا حق ہے کہ اس کا علاج کیا جائے۔ کیا ہسپتال انتظامیہ کے پاس اس کے لیئے ایک بوتل خون کی نہیں؟

کرنل نے مجھے غصے سے دیکھا اور ان کے اسسٹنٹ میجر برنی حیرت سے کرنل صاحب کے چہرے کا طواف کر رہے تھے اور کبھی نظریں میرے چہرے پہ گاڑ دیتے کچھ لمحے خاموشی میں گزر گئے اور میجر برنی اور میں شاید کرنل کے منہ سے کسی نئی خرافات کے نکلنے کے منتظر تھے۔ میں نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا کہ سر !

اس کا مطلب اس کو آج داخل نہیں کیا جائے گا اور خون دے گا تو اپنا حق لے گا۔ کرنل نے غصے سے غراتے ہوئے کہا کہ اتنی ہمدردی ہے تو اپنا خون دے دیں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ میں نے کرنل صاحب کی طرف دیکھ کر کہا او کے سر

یہ مریض آج ہی داخل ہو گا آپ مجھے کچھ دیر کے لئے ڈیوٹی سے ریلیز کریں میں اس کے لیئے خون کا بندوبست کرتی ہوں۔ دونوں افسران نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا او کے

کیجیئے بندوبست۔ کہاں سے لائیں گی اتنی جلدی۔ میں انشاءاللہ کہہ کے وہاں سے نکلی اور سیدھی آرمی بلڈ ڈیپارٹمنٹ Armed forces blood transfusion میں گئی جو سی ایم ایچ کے اندر ہی تھا۔ میں نے وھاں کے انچارج کرنل امین صاحب سے کہا سر ! میں نے بلڈ ڈونیٹ کرنا ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آپ نے ایک ماہ پہلے تو

خون دیا ہے دوبارہ نہیں لے سکتے۔ میرے اصرار پر کہ سر آپ میرا HB یعنی ہیموگلوبن چیک کرلیں میں بلڈ دے سکتی ہوں۔ بہرحال میرے مجبور کرنے پر انہیں میرا بلڈ لینا پڑا۔ میں نے اپنا خون سکرین آؤٹ کرواکے اور اس مریض کے نام کی ڈونیشن چٹ لگوائی اور خون کا یہ بیگ لے جاکر کرنل رؤوف کی ٹیبل پہ رکھ دیا۔ اور کہا کہ سر، اب اس مریض کو داخل کریں۔ آپ کی شرط پوری ہوگئی ہے۔

کرنل رووف اور میجر برنی نے میری طرف حیرت سے دیکھا اور بلڈ بیگ پہ میرا نام پڑھ کے ایک دم کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے، یہ آپ نے کیا کیا؟

میں نے تو یہ نہیں کہا تھا۔ میں نے کہا: سر میں نے کسی کو خون دیا ہے کسی کا خون لیا نہیں۔ آپ بے فکر رہیں میں آپ سے کسی قسم کی سہولت نہیں چاہوں گی میں اپنی ڈیوٹی پوری ادا کروں گی وارڈ کا کام میرے بلڈ ڈونیٹ کرنے سے متاثر نہیں ہوگا بات کرنے کے دوران میں چکرا بھی رہی تھی اور پسینے کے قطرے میرے چہرے پر نمودار ہو رہے تھے اور میرے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا کیوں کہ میں خون دینے کے بعد آدھ گھنٹہ وہاں لیٹے رہنے کی بجائے چل کر دفتر پہنچ گئی کیوں کہ اس مریض کی ایڈمیشن کا وقت ختم ہو رہا تھا

میں آفس میں آئی اور ان بزرگ سے کہا کہ باباجی آیئے کرنل صاحب کے آفس میں آپ کا داخلہ کروا آؤں۔ باباجی پھر سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگے میں نے انہیں بتایا کہ آپ کے لیئے خون کا بندوبست ہوگیا ہے۔

یوں خون کی ایک بوتل مجھے آج تک شراب طہور کا لطف دیتی ہے اور میں سوچتی ہوں کہ باباجی کا میرے آفس میں آکر مجھ سے اپنا غم شیئر کرنا ایسے ہی نہیں تھا باباجی خود نہیں آئے تھے انکو میرے پاس خدا نے بھیجا تھا۔

میں آج بھی اس واقعے کو یاد کرتی ہوں تو یادوں کے حسین موسم کی مدھر سرگوشیاں روح کو سکون و اطمینان کی دولت سے مالامال کر دیتی ہیں۔

❁❁❁

کرپشن

تحریر: ندرت جہاں کاشف جرمنی

آج بھی ہمیشہ کی طرح پھر بہت ہی تھکا دینے والا دن تھا۔ وہ ایک سرکاری دفتر میں 16 گریڈ کا افسر تھا اور جب سے نئی حکومت آئی تھی، ہر وقت محکمے میں کرپشن کرپشن کی گونج سنائی دیتی تھی اور ہر روز کوئی نہ کوئی کرپشن ڈرامہ تیار رہتا تھا۔ پسینے میں شرابور وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اپنی نازک اور خوبصورت نئی نویلی بیگم کا سوچ کر مسکرا دیا۔ آج اس کا شادی کے بعد آفس میں پہلا دن تھا۔ زیادہ چھٹی نا ملنے کی وجہ سے اس کو ایک ہفتے میں ہی آفس جوائن کرنا پڑ گیا تھا اور وہ ابھی اپنی بیگم کو ٹھیک سے جان بھی نہ پایا تھا۔ لیکن اس کو ہر وقت نک سک سی تیار بیگم بہت بھلی لگی تھی۔

یہ سوچتے سوچتے وہ گاڑی میں بیٹھا اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ چونکہ آج وہ وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی فارغ ہوگیا تھا اس لیے گھر بھی اس نے وقت سے کچھ پہلے ہی پہنچ جانا تھا۔ گھر پہنچ کر اس نے جلدی سے گاڑی گیٹ کے باہر پارکنگ میں لگائی اور نکل کر بیوی کو سرپرائز دینے کے بعد اس کے ری ایکشن کا سوچ کر مزہ لیتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوا۔ گھر میں ہر طرف خاموشی تھی مزیدار کھانے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور دائیں ہاتھ پر رکھے کھانے کی میز پر پلیٹیں سجی پڑی تھیں۔ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اندر سے کسی نے دروازہ کھولا اور اس کے بیگم کے ڈیل ڈول سے ملتی جلتی عورت اس سے ٹکرائی اور شرما کر ہائے اللہ کہہ کر منہ پہ ہاتھ رکھ کے پیچھے ہوئی۔ اسد کو آواز سن کے اپنی بیگم کا وہم تو ہوا پر جیسے ہی اس کے وہم کو دل تک رسائی حاصل ہوئی اس کی دھڑکن رکنے لگی اور ایسا لگا کہ دل باہر آجائے گا۔ ابھی وہ بولنے کے لیے منہ کھولنے ہی لگا تھا کہ وہ لڑکی جس کے چہرے کا ہر عضو گول مول اور آڑا ترچھا تھا یا پتہ نہیں اس کو لگا تھا وہ بولی اسد آپ نے بتایا ہی نہیں آنے کا۔ اچھا آپ بیٹھیں میں تیار ہونے ہی لگی تھی بس ابھی آئی۔ یہ کہہ کر وہ غڑاپ سے کمرے میں چلی گئی اور اسد ایک خواب کی سی کیفیت میں جاکر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ابھی وہ صدمے کے سمندر میں غوطے ہی لگا رہا تھا کہ کمرے سے ایک بالکل متوازن نقوش کی نک سک سے تیار ہوئی اس کی بیگم باہر آئی پر کپڑے دیکھے تو وہی تھے جو پہلی عورت نے پہنے تھے۔ اب اسد بولنے کے قابل نہیں رہا تھا بس اس کے دماغ میں ایک ہی بات گردش کر رہی تھی کرپشن کرپشن کرپشن۔

❁❁❁

بکھرتے رنگ

تحریر: نصرت قدسیہ وسیم

رنگوں کی قوس قزح سے توسب واقف ہیں۔کیا آپ نے ان رنگوں سے بدلتی تصویروں کے بارے میں سوچا ہے۔سوچا تو ہو گا مگر کیا اس سے لطف اٹھایا۔یقیناً لطف اندوز ہوئے ہونگے۔کیا اس سے تبدیل ہوتے رنگ اور بدلتی تصویر سے کوئی سبق سیکھا؟میں بات کر رہی ہوں قدرت کے ان رنگوں کی جس سے ہماری تصویریں بنتی اور بدلتی رہتی ہیں۔کردار کی،اخلاق، کی انسانی قدروں کی زمانہ ترقی کر گیا مگر انسانوں کی مشکلات، دکھ، تکالیف ختم نہیں ہوئے۔خیالات میں ڈوبی تو ذہن کی سکرین پر احمراور بشریٰ کی تصویر اس کائنات کے کینوس پر یوں نظر آئی کہ میری آنکھوں میں آج بھی وہ صاف وشفاف ہے جیسے ابھی کی بات ہے وہ منظر میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔محبت اور پیار کے رنگوں سے بنی یہ تصویر کیسے یک لخت تبدیل ہوگئی۔احمر کو خدا نے اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔اور بشریٰ بھی خوبصورت وخوب سیرت تھی جس نے اپنے گھر کو جنت کا نمونہ بنانے کی خواہش مند تھی۔ہر رشتے کی عزت وتکریم تھی۔ہر کوئی ان سے راضی تھا۔بلکہ یہ جوڑا اپنے خاندان میں ہر دلعزیز تھا۔کوئی کام یا مشورہ کرنا ہوتا تو ہر ایک کی زبان پر احمر اور بشریٰ کا نام ہوتا۔ان کے آنگن میں پیدا ہونے والے ہر بچے کے لئے نیک خواہشات تمنائیں رکھتے تھے کہ اس کا لفظوں میں بیان مشکل ہے۔میاں بیوی نے آنگن میں کھلنے والے ہر پھول کو نرالے انداز میں پروان چڑھایا تھا۔جہاں صرف لاڈ اور پیار کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔گو کہ ہر ماں باپ اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں۔کوئی ماں باپ اپنی اولاد میں تفریق نہیں کرتے۔بلکہ محبت ہی دیتے ہیں۔مگر ایسے لگتا تھا کہ یہ گھر عام دنیا سے الگ ہے۔انکے بچوں میں ایک زین اور دو بہنیں لالہ اور لیلیٰ تھیں۔لالہ اور لیلیٰ کی تعلیم مکمل ہوگئی۔جبکہ زین ابھی تعلیم کے میدان میں تھا بشریٰ اور احمر اپنے خاندان میں لالہ اور لیلیٰ کے جیون ساتھی تلاش کر رہے تھے۔سب کی نظر ان پر تھی کہ یہ خوش قسمتی کس کے حصہ میں آتی ہے۔آخر احمر کی بڑی بہن رضوانہ کے بیٹوں کا انتخاب ہوا۔وہ لڑکے بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔علیم اپنا بزنس کرتا تھا اور حلیم جاب کرتا تھا۔منگنی کی رسم تو سادگی سے ادا ہوئی۔جس میں سارا خاندان شامل نہ ہوسکا۔پھر رسم نکاح بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔جس میں سارا خاندان شامل ہوا۔علیم اور لالہ ایک سٹیج پر تھے۔حلیم اور لیلیٰ دوسرے سٹیج پر ایک دوسرے پر فدا ہو رہے تھے۔دونوں گھروں میں خوشیاں سنبھالنی مشکل تھی۔بڑی شان وشوکت سے ساری کاروائی تہہ پائی۔عشق ومحبت کی نئی داستاں رقم ہو رہی تھی۔وفا کے عہد وپیماں باندھے جا رہے تھے۔کہ اچانک ایک طوفان کی لہر آئی اور سب کچھ بہا کر لے گئی۔عشق ومحبت کی بنتی ہوئی خوبصورت تصویر حوادث اور انتقام کے رنگوں سے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔۔علیم کو کاوبار میں بہت بڑا نقصان ہوا۔کہ وہ اس جھٹکے کو ذہنی طور برداشت نہیں کرسکا۔ڈیپریشن کا شکار ہوگیا۔دنوں کے گذرنے سے بیماری کشیدگی اختیار کرگئی۔اب وہ مکمل طور پر اپنے حواس کھو چکا تھا گویا پاگل ہو۔یہ خبر اب خاندان میں ہر ایک کی زبان پر تھی۔احمر اور بشری عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھے کیا کریں اور کیا نہ کریں۔وہ جن سے لوگ مشورے لیئے جاتے تھے۔عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھے۔۔چند ماہ بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ علیم اور لالہ کے اس رشتہ کو ختم کر دیں۔کیونکہ علیم کی ذہنی کیفیت وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ مزید کشیدگی اختیار کر رہی تھی۔۔لالہ کا دل ایسے تھا گویا کل کائنات ہی لٹ گئی۔وہ اسکی بیماری سے پہلے ہی ٹوٹ چکی تھی مزید بر آں کہ جب ماں نے کہا کہ زندگی اس موڑ آگئی ہے کہ کسی فیصلے پر پہنچنا ہے اس جدائی کے فیصلے پر وہ دیوانی سی ہوگئی ماں کو بار بار کہتی کچھ انتظار کرلیں شاید کرشمہ ہوجائے۔لیکن ایسا نہیں ہوا۔دل کی حالت وہ کھول کر بیان نہ کرسکی اور فیصلے کی گھڑی آگئی اور اس نے جدائی کے پروانے پر مہر لگادی لیلی اور حلیم اس عرصہ میں عشق کی دنیا میں بہت آگے نکل چکے تھے۔وہ کاغذ کا ٹکڑا جب ڈاکیہ رضوانہ کے گھر دینے گیا تو وہ غیض وغصہ سے اندھی ہوگئی۔انتقام کی آگ نے اسکو پوری طرح جلادیا۔بے قصور حلیم اور لیلی نہیں جانتے تھے کہ ان کے عشق کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ رضوانہ نے احمر کو غصے میں فون کیا کہ اگر آپ نے علیم اور لالہ کی پہلی طلاق کی عدالتی کاروائی واپس نہ لی۔

تو حلیم اور لیلی کا گھر بھی نہیں بسے گا۔سو محبت اور خوشیوں کے رنگ نہ جانے کب نفرتوں میں بکھر گئے کسی کو پتا ہی نہ چلا۔بشری اپنے سینے سے دونوں بیٹیوں کو لگائے زار وقطار رو رہی تھی اور رضوانہ کو۔علیم کو۔حلیم کو نصیب کو کوستی رہی مگر اب یہ بے فائدہ سا تھا۔۔۔ایک سیاہ داغ دونوں کے دامن پر لگ چکا تھا۔عشق ومحبت کے رنگوں کی داستان انتقام، نفرت اور جدائی پر ختم ہوچکی تھی۔ایسے کئی رنگ ہر روز ہمارے ارد گرد پھیلتے ہیں اور۔معاشرے میں ہر روز نئی تصویریں بنتی رہتی ہے۔

جو دکھوں اور تکلیفوں کے رنگوں سے بنی ہوتی ہیں۔

زندگی اے زندگی تیرے کیا رنگ بکھرتے دیکھے
کہیں خون، کہیں دل کہیں انساں مرتے دیکھے

❁❁❁

پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے داماں کیلئے

ایک غریب عقلمند کا توکل علی اللہ

تحریر: صفیہ چیمہ - فرینکفرٹ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پاکستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک غریب آدمی رہتا تھا۔ اس کا نام فاخر تھا اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ دونوں بہت غریب تھے اور ان کے پاس اکثر کھانے کو بھی کچھ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن وہ کبھی مایوس نہیں ہوئے اور ہمیشہ اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے رہے۔ اسی لیے وہ پریشانی کی حالت میں بھی خوش رہا کرتے تھے ایک دن جب ان کے پاس کچھ بھی کھانے کو نہیں تھا سوائے اپنی بطخ کے تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس بطخ کو ذبح کر دیا جائے فاخر ابھی وہ بطخ ذبح کرنے ہی لگا تھا کہ اس کی بیوی نے پکارا " رکو بطخ کو ذبح مت کرو ہمارے پاس نہ ہی لکڑی ہے اور نہ ہی کسی قسم کے مصالحے ہم بطخ پکائیں گے کیسے"۔ فاخر بولا "ارے ہاں یہ تو میرے ذہن سے ہی نکل گیا تھا۔ اس بھوک نے تو میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب کر دی ہے۔ کیا تمھارے ذہن میں بھی اس مسئلے کا کوئی حل نہیں آ رہا؟" اس کی بیوی نے کہا "تمھارے ذہن میں تو اکثر اچھی ترکیبیں ہوتی ہیں۔ کچھ سوچو"۔ فاخر نے کچھ دیر کے لیے سوچا اور پوری امید سے بولا " میں یہ بطخ چوھدری کو تحفے میں دے دیتا ہوں۔ وہی کم از کم اس کو پکا سکتا ہے۔ شائد وہ ہمیں اس کے بدلے خوشی سے کچھ پیسے دیدے۔ جس سے ہم کچھ خرید سکیں" ۔ اس نے یہ بولا اور ساتھ ہی وہ بطخ لیکر چوھدری کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ چوھدری کے گھر پہنچا تو اس نے کہا۔ "چوہدری صاحب میرے پاس کچھ نہیں سوائے اس بطخ کے اور یہ میں آپکی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ یہ بطخ کھائیں اور لطف اندوز ہوں"۔ چوہدری نے حیرانگی بھری نظروں سے فاخر کو دیکھا اور لمحہ بھر کو اسکی فراخ دل پیشکش کے بارے سوچا جو اسکا آخری سرمایہ تھا اور جس کو وہ بلا جھجک تحفہ کرنے کو تیار تھا۔ لہذا اس نے اپنی بیوی، اپنے دو بیٹے اور اپنی دو بچیوں کو بلایا اور فاخر سے مخاطب ہوا۔ "تم ہم چھ افراد کو ایک بطخ کا تحفہ دے رہے ہو لہذا اس کو ھمارے بیچ میں ایسے تقسیم کرو کہ نہ تو کوئی اپنے آپ کو جدا سمجھے اور نہ ہی کوئی ناراض ہو"۔ فاخر نے بطخ کا سر جدا کیا اور چوہدری کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ "مالک آپ اس خاندان اور اس گاؤں کے سربراہ ہیں لہذا یہ سر میں آپ کو عزت کی علامت کے طور پہ دیتا ہوں"۔ پھر اس نے دل لیا اور اسکو چوہدری کی بیوی کو دیتے ہوئے بولا۔ "بیگم صاحبہ آپ چوہدری صاحب اور اس گاؤں کے دل میں بستی ہیں لہذا یہ دل میں آپ کو اس بے لوث محبت کے نام پہ دیتا ہوں"۔ پھر اس نے بطخ کی دونوں ٹانگوں کو لیا اور دونوں بیٹوں کو دیں۔ کہ "بیٹے باپ کے بڑھاپے میں اسکی بیساکھیاں بنیں گے۔ اور یہ بات ان کو یاد رکھنی چاہیے"۔ پھر اس نے بطخ کے پر لیے اور دونوں بیٹیوں کو دیتے ہوئے کہا کہ "آپ دونوں ایک دن چڑیا کی طرح اڑ جائیں گی۔ لہذا یہ پر میں آپ کو اس طور پہ دیتا ہوں"۔ جب فاخر بطخ کی تقسیم سے فارغ ہو گیا تو چوہدری ہنستے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ "فاخر تم بہت عقلمند ہو تم نے بطخ بھی بانٹ دی اور کسی سے ناانصافی بھی نہ ہونے دی اور خود بھی منافع میں رہے۔ تم نے ہم لوگوں میں وہ حصہ تقسیم کیا جو کہ استعمال کے قابل نہیں تھا اور خود سب سے اچھا حصہ اپنے لیے رکھ لیا۔ لیکن تم نے بہت ذہانت اور عقلمندی سے یہ سب کیا۔ میں تمہاری عقلمندی سے بہت خوش ہوا ہوں۔ میں تمہیں پیسے دیتا ہوں تا کہ تم اپنے لیے کھانے پینے کی چیزیں لے سکو"۔ فاخر مطمئن ہو کے خوشی سے گھر چلا گیا۔ راستے میں اسے اپنا پڑوسی چالا کو ملا جس کو اس نے سارا واقعہ بیان کیا کہ اسے ایک بطخ کے بدلے میں اتنے پیسے ملے ہیں۔ چالا کو بھی ایسے ہی پیسے کمانا چاہتا تھا۔ اس نے پانچ بطخیں خریدیں اور چوھدری کے پاس چلا گیا۔ اس نے کہا "چوھدری صاحب فاخر نے آپ کو ایک بطخ دی تھی میں آپ کو پانچ دیتا ہوں"۔ چوھدری نے پھر اپنے سارے خاندان کو بلایا اور اسے کہا کہ وہ ان بطخوں کو ایسے تقسیم کرے کہ کوئی اپنے آپ کو نہ جدا سمجھے اور نہ ہی ناراض ہو"۔

چالا کو نے کافی سوچا کہ وہ پانچ بطخیں ان چھ لوگوں میں کیسے تقسیم کرے۔ لیکن اسے کچھ نہ سوجھا۔ چوھدری کو اس کی پریشان شکل دیکھ کر اندازہ ہو گیا کہ اس کے ذہن میں کوئی حل نہیں آ رہا۔ لہذا اس نے فاخر کو بلایا اور اسے کہا کہ " وہ اس مسئلے کو حل کرے"۔ فاخر نے ایک بطخ لی اور اسے چوھدری اور اس کی بیوی کو دی اور کہا "اب تم لوگ تین ہو گئے ہو"۔ پھر اس نے دوسری بطخ لی اور چوھدری کے بیٹوں کو دی اور کہا "اب تم لوگ تین ہو گئے ہو"۔ پھر اس نے تیسری بطخ لی اور چوھدری کی دونوں بیٹیوں کو دیکر کہا "اب تم بھی تین ہو گئی ہو"۔ آخر میں اس نے آخری دو بطخیں لیں اور کہا "اب ہم بھی تین ہو گئے ہیں"۔ چوھدری ہنسا اور کہا "فاخر تمہاری عقلمندی کا جواب نہیں تم نے اس بار بھی کافی عقلمندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تم نے نہ تو کسی میں فرق رکھا اور نہ ہی کسی کو ناراض کیا اور خود بھی فائدے میں رہے۔ تم نے مجھے بہت خوش کیا ہے لہذا میں تمہیں اپنی زمینوں میں سے ایک کھیت دیتا ہوں۔ تم اس پہ فصل اگاؤ تا کہ تم بھوکے نہ رہ سکو"۔

جب چالا کو نے یہ سب دیکھا اور سنا تو وہ غمگین ہو کے گھر چلا گیا۔ اور بہت رویا کہ اس نے اپنے لالچ کی وجہ سے پانچ بطخیں کھو دیں۔ پھر اس نے اپنے دل میں سوچا کہ فاخر جیسے عقلمند انسان نے اپنی عقل سے بہت کچھ حاصل کر لیا اور میرے جیسا لالچی اپنی لالچ کے باعث بہت کچھ کھو بیٹھا ہے۔ جبکہ فاخر نے تو اللہ پر توکل کیا اور سچ ہے کہ توکل علی اللہ میں ہی برکت ہے۔

❁❁❁

پکوان

کھانوں میں میوہ جات کا استعمال

کابلی پلاؤ

درکار اجزاء: چاول۔ایک کلو، بکرے کی چانپ۔ 1½ کلو، تیل۔750 گرام، دہی۔ ½ کپ، نمک۔حسبِ ذائقہ، پیاز (تل کر سنہری کرلیں)۔1عدد، پیاز (کٹی ہوئی)۔2عدد، ادرک (چوپ کرلیں)۔2انچ کا ٹکڑا، کشمش (تلی ہوئی)۔ایک چوتھائی کپ، لہسن کے جوے (چوپ کرلیں)۔10عدد، بادام (کٹے اور تلے ہوئے)۔ ½ کپ، لیموں کا رس۔2 کھانے کے چمچ، ثابت دھنیا۔2 چائے کے چمچ، زعفران، کیوڑا۔تھوڑا سا، سونف۔2 چائے کے چمچ، ادرک لہسن پیسٹ۔1 چائے کا چمچ، ثابت گرم مسالہ۔تھوڑا سا، پانی۔8 کپ

ترکیب: سب سے پہلے چانپوں کو دھو کر اس میں پانی، نمک، ادرک، لہسن پیسٹ، کٹی ہوئی پیاز، دھنیا اور سونف ڈال کر تقریباً ایک گھنٹے تک پکائیں۔جب چانپیں گل جائیں تو انہیں نکال کر گرم تیل میں فرائی کر کے ایک پلیٹ میں رکھ لیں۔چانپوں کی یخنی کو چھان کر علیحدہ رکھیں۔زعفران اور کیوڑے کو مکس کرلیں۔ایک پتیلی میں تیل گرم کریں۔ثابت گرم مسالہ، چوپ کیا ہوا ادرک لہسن اور دہی ڈال کر بھون لیں اور اس میں یخنی ڈال کر پکائیں۔جب اُبال آنے لگے تو بھگوئے ہوئے چاول ڈالیں۔5منٹ تیز آنچ پر پکائیں پھر نمک ڈال کر آنچ کم کردیں۔جب پانی خشک ہوجائے تو چانپ ڈال کر دَم پر رکھیں۔ڈش میں پہلے چاول، پھر اوپر چانپیں، پھر تلی ہوئی پیاز، تلی ہوئی کشمش، بادام، زعفران ملا کیوڑا اور لیموں کا رس ڈال کر سرونگ ڈش میں نکالیں۔لیجیے مزیدار کابلی پلاؤ تیار ہے۔

مٹکا چکن ہانڈی

درکار اجزاء: پیاز۔3عدد، ٹماٹر (باریک کٹے ہوئے)۔3عدد، بڑی الائچی۔ایک عدد، چھوٹی الائچی۔2سے3عدد، ثابت کالی مرچ۔5سے6عدد، تیز پات۔2عدد، لال مرچ۔4سے5عدد، نمک۔حسبِ ذائقہ، ادرک لہسن پیسٹ۔1½ کھانے کا چمچ، اجوائن۔½ چائے کے چمچ، لال مرچ پاؤڈر۔حسبِ ذائقہ، ہلدی پاؤڈر۔½ کھانے کے چمچ، دھنیا پاؤڈر۔1½ کھانے کے چمچ، کشمیری لال مرچ۔ایک کھانے کا چمچ، ہری مرچ۔3سے4عدد، کاجو۔5سے6عدد، دہی۔ایک کپ، چکن۔آدھا کلو، تیل۔آدھا کپ، کریم۔2سے3 کھانے کے چمچ، گرم مسالہ پاؤڈر۔1½ چائے کا چمچ

ترکیب: سب سے پہلے پیاز کو گرائنڈر کی مدد سے پیس لیں۔پھر ٹماٹر، بڑی الائچی، چھوٹی الائچی، ثابت کالی مرچ، تیز پات، سوکھی لال مرچ، نمک، ادرک لہسن پیسٹ، اجوائن، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی، دھنیا پاؤڈر، کشمیری لال مرچ، ہری مرچ، کاجو اور دہی ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔اب چکن ڈال کر پھر سے اچھی طرح مکس کریں اور 30منٹ کے لیے میرینیٹ ہونے دیں۔اس کے بعد ہانڈی میں تیل ڈالیں اور میرینیٹ کی ہوئی چکن شامل کردیں اور 4سے 5 منٹ کے لیے پکالیں۔

بعد ازاں ہانڈی کو ڈھک دیں اور آٹے سے سیل کردیں اور 30سے 40 منٹ کے لیے پکنے دیں۔اب چولہا بند کر کے اس میں اچھی طرح کریم مکس کرلیں۔ہانڈی کو پھر سے آنچ پر رکھیں، گرم مسالہ شامل کریں اور اچھی طرح مکس کریں۔ڈھک کر 4سے 5منٹ کے لیے پکالیں۔آخر میں ہری مرچوں کے ساتھ سجاوٹ کر کے گرما گرم نان کے ساتھ گھر والوں کے سامنے پیش کریں۔

خاک نشین بادشاہ

قدسیہ نورولا-ناروے

تو خاک نشین پر دل نشین ، دلربا تھا
اک مرد خدا، شاہ نشین اور باخدا تھا
اللہ نے دی کمان تجھے اصلاح زمانہ
اللہ کے ہر حکم پے تو باوفا تھا
تقریر ہو تحریر ہو یا محفل یاراں
ہر رنگ ہر انداز تیرا سب سے جدا تھا
دشمن کے ہر اک وار کے یوں سامنے آ کے
للکارا اسے ایسا لگا رب بول رہا تھا
رب نے بھی کبھی اسکی کوئی بات نہ ٹالی
پورا کیا ہر وعدہ جو اس سے کیا تھا
بچے ہوں بڑے ہوں، اپنے ہوں یا بیگانے
اے خاک نشیں توسب کے لیئے اک مرد خدا تھا
تربت پے تیری پڑتی رہے رحم کی بارش
تو مہدی موعود ہی کا موعود نافلہ تھا

شعروشاعری

نظم

حمیرا نگہت جرمنی

سنا ہے کہ بہار آگئی ہے

رات نے نوزائیدہ شگوفوں کے منہ میں
شبنم کی گھٹی ڈال دی ہے
بہار جوان کلیوں کے ہونٹوں پر
جیون رس ٹپکانے لگی ہے
درخت سرخ و گلابی اور عنابی ہوئے جاتے ہیں
گویا ویران شاخوں پر حسین پریاں
قافلہ در قافلہ اتر رہی ہیں
چڑیوں نے اپنے بے رنگ اور پرانے پَر
اتار پھینکے ہیں
مسلسل ہونے والی بوندا باندی نے
خزاں کے سب زرد رنگ دھو ڈالے ہیں
بوسیدہ پتوں کی دبیز تہہ کے نیچے
امیدیں نمو پانے لگی ہیں
خواہشیں سر اٹھانے لگی ہیں
آنکھوں کی جھیلوں پر خوابوں کے پرندے
واپس لوٹ رہے ہیں
اٹھو بہار کے رنگ پہنو
آؤ میرا ہاتھ پکڑو
دیکھو ناں!
ٹیبل پر رکھے چائے کے دو کپ
ہمارے منتظر ہیں...

❀❀❀

نمازِ عشق و محبّت ترا خدا حافظ

بشریٰ سعید عاطف

ادائے حسن و عنایت، ترا خدا حافظ
جنونِ عشق و محبّت، ترا خدا حافظ

بھرم رکھا نہیں میری سفید پوشی کا
دکھاوے کی اے سخاوت، ترا خدا حافظ

تمہاری باتوں میں آئے یہ دل کے سادہ لوگ
اے معجزہ، اے کرامت، ترا خدا حافظ

کسی بھی طرح تجھے اب میں پڑھ نہیں سکتی
غموں کی لمبی عبارت، ترا خدا حافظ

کٹایا سر بھی کسی نے بہ حالتِ سجدہ
نمازِ عشق و محبّت، ترا خدا حافظ

میں جا رہی ہوں تری دسترس سے دور بہت
شبِ فراق و اذیّت، ترا خدا حافظ

نہاں نہ رہنے دیا راز تو نے کوئی مرا
اے چشمِ تر کی حقیقت، ترا خدا حافظ

نصیب میں مرے لکھیں تھیں وحشتیں ہر پل
اے چار دن کی رفاقت، ترا خدا حافظ

زیاں ہی وقت کا ہے ایسی بندگی بشریٰ
برائے نام عبادت، ترا خدا حافظ

❀❀❀

چھ فٹ کے فاصلے سے بھلا کیسے پیار ہوتا

امۃ الباری ناصر

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
چھ فٹ کے فاصلے سے بھلا کیسے پیار ہوتا

ہمیں ماسک مل گئے ہیں، تو یہ جان، جُھوٹ جانا
کہ خوشی سے مرنہ جاتے، اگراعتبار ہوتا

یہ بھی کیسی زندگی ہے کہ بچھڑ گئے ہیں سب سے
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غم گسار ہوتا

پہلے ہی کاش ہوتی بندش مصافحوں پر
نامحرم سے ہاتھ ملا کر نہ دل شرمسار ہوتا

آیا ہے کو وڈ آ کے لمبا لٹک گیا ہے
اتنی خلش نہ ہوتی جو تیزی سے پار ہوتا

ہم بدلتے روز جوڑا جو نہ لاک ڈاؤن ہوتا
پارلر بھی آتے جاتے میک اپ ہزار ہوتا

یہ روز روز خبریں مرا دل ہلا رہی ہیں
مجھے کیا بُرا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا

باقی تو سب گوارا اک رہ گئی ہے حسرت
کہ میاں کا اپنے دفتر سے ہی کاروبار ہوتا

کیا خوش نصیب ہیں وہ جنھیں ویکسین لگی ہے
جلدی سے ملتی ویکسین تو یہ بیڑہ پار ہوتا

کبھی ہم نہ گھر پہ رکتے نہ یوں قید ہو کے رہتے
ایس او پیز کا بکھیڑا نہ گلے کا ہار ہوتا

سمجھے ہیں جن کو آنٹی کیا جانیں ہوں وہ انکل
منہ ماسک میں چھپا ہو تو کیا اعتبار ہوتا

ہم تم گلے جو ملتے ملنے کا لطف آتا
اگر سوشل ڈسٹینسنگ پہ کچھ اختیار ہوتا

یہ ہماری تو نہیں تھی غالب کی آرزو تھی
کوئی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، کو وڈ بُری بلا ہے
جو خدا کو یاد رکھتے نہ یہ حال زار ہوتا

❀❀❀

مدثرہ عباسی اردو/انگریزی ٹیچر فارن اینڈ کامن ویلتھ آفس UK

A TRANSITIVE VERB IS ONE, THAT CAN HAVE AN OBJECT TO DESCRIBE THE SITUATIONS:
SUCH AS: SAW (نے) دیکھا DRANK (نے) پیا

It needs to add 'ne' before the verb.
1st person: Subject+ne+object+2nd form of verb.
2nd person: Subject+ne+object+2nd form of verb.
3rd person: Oblique form of subject+ ne + object + verb (2nd form)
میں نے کھانا کھایا۔ Verb's endings agree with the gender of the object.

I watched TV: meiN ne TV deikha. میں نے کتابیں دیکھیں۔
I read a book. meiN ne kitab paRhee. میں نے کتابیں پڑھیں۔
I wrote a letter. meiN ne khat likha.(s). likhei (p)میں نے خط لکھے
Hum ne phool deikha.ہم نے پھول دیکھا۔
You had breakfast. Aap ne nashta kiya.آپ نے ناشتہ کیا
He spoke French: us ne Fransisee bolee. (F)اس نے فرانسیسی بولی
She brushed her teeth.Us ne apnei dant brush kiyei.اس نے اپنے دانت برش کئے
They took a shower. unhoN ne shower liya.انہوں نے شاور لیا۔
Us ne deikha. should agree with the object. میں نے روٹی کھائی

مثال کے طور پر:

کھاءی۔کھائی۔ اس نے پیزا کھایا۔ ہم نے پھل کھائے۔ میں نے پانی پیا۔

اس نے چائے پی۔ ہم نے کتابیں پڑھیں۔

Few more examples:

I saw you	میں نے آپ کو دیکھا
I wrote with a pen	میں نے قلم کے ساتھ لکھا۔
I read your book.	میں نے آپ کی کتاب پڑھی۔
You gave me money	آپ نے مجھے رقم دی
You played tennis	آپ نے ٹینس کھیلی
He watched a film.	اس نے فلم دیکھی
He understood the lesson	(اس نے سبق سمجھا۔سمجھے۔سمجھی)

AN INTRANSITIVE VERB IS AN ACTION VERB THAT DOES NOT REQUIRE THE ADDITION OF A DIRECT SUBJECT TO COMPLETE THE MEANING OF A VERB.
SUCH AS: JANA/ GIYA (IN PAST) گیا جانا۔

Bhagna: To run بھاگا۔بھاگی۔بھاگے۔بھاگیں

Jagna: To wake up جاگا۔جاگی جاگے۔جاگیں
Sona: سویا۔سوئی۔سوئے۔سوئیں:
Aana آیا۔آئی۔آئے۔آئیں
Jana (geya) گیا۔گئی۔گئے۔گئیں
Chalna. چلا۔چلی۔چلے۔چلیں

(Plural)"Hum/Aap/Voh Gayei ہم۔آپ۔وہ۔گئے

(F/P)"Hum/Aap/voh GayeeN ہم۔آپ۔وہ۔گئیں

تھا۔تھی۔تھے۔تھیں۔گیا۔گئی۔گئے۔گئیں
وہ جاتی ہیں۔ہ ی ں۔وہ جاتی تھیں۔وہ جاتے تھے۔
وہ جارہے ہیں۔وہ جارہی ہیں۔ وہ جارہے تھے۔وہ جارہی تھیں۔

Kal meiN sat bajei uTha. کل میں سات بجے اُٹھا
To srart: شروع کرنا
To finish-ختم کرنا
To use: استعمال کرنا
To understand: سمجھنا۔سمجھ جانا۔ سمجھ گئی۔سمجھ گئے۔سمجھ گیا

How to describe one's yesterday's routine:

کل میں سات بجے اٹھا اور پھر میں نے ناشتہ کیا۔اس کے بعد میں نے شاور لیا اور پھر میں نے نو بجے کام شروع کیا۔کھانے سے پہلے میں اور پھر میں نے مرغی کھائی۔کھانے کے بعد میں نے کافی پی۔میں نے اردو کی کتاب پڑھی میں نے چھ بجے ٹام کے ساتھ ٹینس کھیلی۔میں ساڑھے آٹھ بجے ہندوستانی ریسٹورنٹ گیا۔میں وہاں میرے دوست رچرڈ کے ساتھ گیا اور ہم نے بریانی کھائی۔ریسٹورنٹ سے واپس جانے کے بعد میں نے اپنے دانت برش کئے اور پھر میں سویا۔

VERBS IN PAST TENSE:

TO MAKE:	BANANA	NEI	BANAYA	بنایا نے
TO COOK:	PAKANA	NEI	PAKAYA	پکایا
TO OPEN:	KHOLNA	NEI	KHOLA	کھولا
TO CLOSE:	BAND KARNA	NEI	BAND KIYA	بند کیا
TO READ:	PARHNA	NEI	PARHA	پڑھا
TO WRITE:	LIKHNA	NEI	LIKHA	لکھا
TO HAVE:	LEINA	NEI	LIYA	لیا

ZINGMAAR
EASY TO FOLLOW
UNIQUE RECIPES FROM
AROUND THE WORLD
FOLLOW @ZINGMAAR

ISSUE
MAY 2021
Vol-2 | Issue-10
SHAWWAL-RAMZAN

AABGEENEI

MONTHLY KHAWATEEN DIGEST

An Educational and Literary Magazine For Social and Religious affairs

Under the supervision of
ABBASI ACADEMY

Editor
Mudessera Abbasi

Incharge of Gosha Adab
Humaira Nighat

Incharge of Bacchon Ka Gulistan / Pakwan
Eeshatur-Razia Abbasi

Chief executive Mohiuddin Abbasi

Printed from London

www.aabgeenei.com